ماہنامہ

مظاہر علوم

سہارنپور



دفتر ماہنامہ مظاہر علوم سہارنپور (یوپی)

جامعہ مظاہر علوم کا ترجمان

ماہنامہ

مظاہر علوم

سہارنپور

جلد ۲۴ نمبر ۸ | ذی قعدہ/ذی الحجہ ۱۴۳۹ھ / اگست ۲۰۱۸ء | شمارہ نمبر ۵

زرتعاون

فی شمارہ ——— ۱۵/روپے

سالانہ زرتعاون ——— ۱۵۰/روپے

بیرون ملک سالانہ ——— ۲۵ ڈالر

ترسیل زر کا پتہ

دفتر ماہنامہ مظاہر علوم سہارنپور ۲۴۷۰۰۱ (یوپی)

MAZAHIR ULOOM URDU MONTHLY MAGAZINE

SAHARANPUR 247001(U.P.) INDIA

Ph: 0132-2655542

Email-jamiamazahir@gmail.com

اس شمارے میں

دائرہ کا سرخ نشان آپ کی مدت خریداری ختم ہونے کی علامت ہے، آئندہ کے لیے رقم ارسال فرمائیں۔

☆ شائع شدہ مضامین سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں۔

☆ جواب طلب امور کے لیے لفافہ اور خریداری نمبر کا حوالہ دینا ضروری ہے۔

☆ ماہنامہ، انگریزی ماہ کی ۲/تاریخ کو حوالہ ڈاک کردیا جاتا ہے۔ ۱۰/تاریخ تک موصول نہ ہونے پر مطلع فرمائیں۔

نوائے سحر

نفس کی قربانی بھی ضروری ہے

عبداللہ خالد قاسمی خیرآبادی

اللہ رب العزت نے انسانی طبیعت کچھ ایسی تخلیق فرمائی ہے کہ فطری طور سے ہر انسان اپنے خالق و مالک کا گرویدہ ہے، قلب مومن ایمان وایقان کی طہارت کی وجہ سے پاک وصاف ہوتا ہے اس لیے اس کا دل عشق کی لذتوں سے اورزیادہ آشنا ہوتا ہے، شوریدگی وسرمستی اورخودسپردگی کا جذبہ صاحب ایمان میں زیادہ ہوتا ہے، ہر قلب مومن میں اس کی تجلی گاہ کی زیارت کی تڑپ، ہر سر مسلم میں اسی کا سودا سمایا رہتا ہے، ذی الحجہ کا مہینہ آتے ہی بقدر ظرف ہر صاحب ایمان کی طبیعت میں انقلاب پیدا ہوجاتا ہے۔

اسی ماہ مبارک کے عشرۂ اول کو قرآن پاک میں **ولیال عشر** کہہ کر ایک امتیازی شان عطا کی گئی ہے، احادیث وآثار بتلاتے ہیں کہ ان دس راتوں میں عبادت وریاضت اور قیام لیل کی بڑی اہمیت ہے، پھر **فصل لربک وانحر** کے ذریعہ نفس کے ساتھ مال کی قربانی کا حکم دیا گیا ہے اوراس کو خصوصی طور پر تقرب الٰہی کا ذریعہ بتایا گیا، بشارت سنائی گئی کہ قربانی کے جانور کے ایک ایک بال کے عوض اجروثواب ملے گا۔

دین اسلام کی مالی عبادات میں قربانی کا ایک خاص مقام ہے، کیونکہ اصل تو یہ تھا کہ اپنے جان اور مال کی قربانی دی جاتی اور بوقت ضرورت ہر مسلمان دین اسلام کیلئے یہ سب کچھ قربان کردیتا لیکن عام حالات میں ذی الحجہ کی دسویں تاریخ کو حضرت ابراہیم واسماعیل علیہما السلام کی یادگار میں جانور کے ذبح کرنے کو ہی کافی قرار دے دیا، اس آیت مبارکہ میں دونوں کا حکم ایک ساتھ دیا جارہا ہے جس سے قربانی کی عظمت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا : یارسول اللہ! یہ قربانی کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ تمہارے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے انہوں نے عرض کیا:

یارسول اللہ! اس میں ہمارا کیا فائدہ ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (تمہارا فائدہ یہ ہے کہ تمھیں قربانی کے جانور کے) ہر بال کے بدلے میں ایک نیکی ملے گی، انہوں نے پھر عرض کیا: یارسول اللہ! (جن جانوروں کے بدن پر اون ہے اس) اون کا کیا حکم ہے؟ (کیا اس پر بھی کچھ ملے گا؟) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اون کے ہر بال کے عوض بھی ایک نیکی ملے گی۔ (الترغیب والترہیب)

برکتوں، سعادتوں سے بھرپور عظیم الشان مہینہ ''ذی الحجہ'' سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی سنتوں کو بھی یاد دلاتا ہے، ہر ہر قدم پر ابتلا و آزمائش، امتحان اور سخت ترین امتحان، اللہ تعالیٰ جسے نوازنا چاہتا ہے پہلے اس کا امتحان لیتا ہے، آزماتا ہے، خلیل رب جلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام کو امامت وقیادتِ اقوام عالم کا سہرا عطا ہونے والا تھا اس لیے رب دوعالم جل جلالہ نے پہلے سخت سے سخت آزمائش کی، بت پرستی اور اصنام سازی کے ماحول میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آنکھیں کھلیں، اعلان حق کی پاداش میں نمرودِ وقت کی ایذائیں سہیں، جلاوطنی کی زندگی گذاری، بیٹے اور رفیقۂ حیات کو حکم خداوندی سے وادیٔ غیر ذی زرع میں بے یارومددگار چھوڑا اور پھر :

و اذِبتَلیٰ ابراھیمَ ربّہ بکلمات فأتمھن قال اِنّی جاعِلُک لِلنّاس اِمَاماً۔

اور جب ابراہیم کے پرودگار نے چند باتوں میں اس کی آزمائش کی اور اس نے ان کو پورا کردیا تو خدا نے ان سے کہا کہ تجھے لوگوں کا پیشوا بنانے والا ہوں۔

آخر میں عزیز ازجان بیٹے کی راہ خدا میں قربانی کا مطالبہ، مقرب بارگاہ الٰہی حضرت ابراہیم نے اطاعت شعاری اور تسلیم ورضا کی ایک تاریخ مرتب کردی اور اپنے بیٹے کو رضائے الٰہی میں قربان کرنے کا مکمل سامان کرلیا، باپ اور بیٹے ہر ممکن انداز سے تیار ہو گئے تو ندائے غیبی

آئی و نادَینٰہ ان یا براھیم و قدصدقت الرؤیا انا کذلک نجزی المحسنین ۔ (صافات)
اور ہم نے اس کو پکارا یوں کہ اے ابراہیم! تو نے سچ کر دکھایا خواب، ہم یوں دیتے ہیں بدلہ نیکی کرنے والوں کو۔

اصل مقصود حاصل ہو گیا اطاعت و فرمان برداری اور اخلاص وتقویٰ کا اعلیٰ معیار قائم ہو گیا اس لیے کہ عبادات کی ظاہری شکل وشباہت بالذات مقصود نہیں ہے۔

باپ (ابراہیم) کا اپنے اکلوتے بیٹے (اسماعیل) کے خون سے زمین کا رنگین کرنا مقصود ومطلوب خداوندی نہیں تھا بلکہ خدا کے سامنے اپنے تمام جذبات، خواہشات، تمناؤں اور آرزوؤں کی قربانی تھی جس میں خلیل اللہ کامیاب ہوئے اور خلّتِ الٰہی کا لباس فاخرہ عطا ہوا اور ایک شرعی حکم کی صورت اس ادائے خودسپردگی کو قربانی کی شکل میں خلعت جاوید مل گیا

ماہ مبارک ذی الحجہ میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی اسی فدائیت، خودسپردگی اور رضائے الٰہی میں سرتسلیم خم کرنے کی ایک نقل جانور کی قربانی کی صورت ہم بھی کرتے ہیں لیکن ذرا محاسبہ ہونا چاہئے کہ ہمارے جذبات کیا ہیں؟ کیا ہم نے بھی اس جانور کی قربانی کی شکل میں اپنے نفس کو قربان کر دیا؟ خواہشات پر چھری چلائی، رضائے حق کے لیے اپنی آرزوؤں تمناؤں اور ارمانوں کا خون کیا؟

اگر ایسا نہیں ہوا تو بس ایک رسم انجام دیدی قربانی کی حقیقت کو نہیں پاسکے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا اتباع نہیں ہوسکا، و من یرغب عن ملة ابراھیم الا من سفه نفسه ۔

ہماری قربانی اسی خورشید حقیقت کا ظل مجاز ہونا چاہئے۔

اس عظیم الشان عبادت کی ادائیگی کے وقت یہ جذبہ بھی ہونا چاہئے کہ جانور کی قربانی کے ساتھ ساتھ رضائے الٰہی اور محبت الٰہی میں اپنے نفس کو بھی ہر طرح سے قربان کرنا ہے بلکہ اگر ضرورت اور تقاضا ہو تو جان تک کی قربانی سے دریغ نہیں ہونا چاہئے۔

فنائیت و خودسپردگی کے نیک جذبوں سے معمور ایک عجیب اور واقعہ نظر سے گذرا

،جس میں عبرت وموعظت کے بہت سے سامان موجود ہیں:

مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ''گرمی کا موسم تھا، مجھے کسی ضروری کام کی وجہ سے نکلنا پڑا، میں نے دیکھا کہ ایک نوجوان دونوں ٹانگوں سے معذور، زمین پر گھسٹتا آرہا ہے، قریب آیا تو میں نے دیکھا کہ اس کا چہرہ گرمی کی وجہ سے سرخ، پسینے میں شرابور، سلام جواب کے بعد تعارف ہوا پوچھا ''کہاں جارہے ہو؟'' جواب دیا: ''حج کیلئے'' میں نے اس سے کہا میرے ہاں تھوڑا سا آرام کرلو جب عصر کے وقت گرمی ذرا کم ہوتو پھر چل پڑنا۔'' وہ کہنے لگا ''آپ تو پاؤں سے چل سکتے ہیں سفر جلدی طے ہوتا ہے میں تو گھسٹ گھسٹ کر چل رہا ہوں مجھے زیادہ وقت لگتا ہے، مجھے ڈر ہے سفر لمبا ہے کہیں حج کے ایام نکل نہ جائیں، اس لئے میں راستے میں رک نہیں سکتا۔''

حضرت مالک بن دینارؒ فرماتے ہیں: میں نے بھی اسی سال حج کیا اور جب شیطان کو کنکریاں مار کر واپس لوٹا، میں نے دیکھا، ایک جگہ مجمع ہے، میں نے پوچھا: ''کیا بات ہے؟'' لوگ کہنے لگے ایک نوجوان ہے اللہ سے دعائیں مانگ رہا ہے اور اس کی دعائیں ایسی عشق و محبت میں ڈوبی ہوئی ہیں کہ لوگ کھڑے سن رہے ہیں، میں نے کہا ''ذرا مجھے بھی دیکھنے دو'' میں آگے بڑھا تو میں نے دیکھا وہی نوجوان دعائیں کررہا ہے، اور کہہ رہا تھا: ''اے اللہ تیری مہربانیاں شامل حال ہوئیں، میں نے تیرے گھر کا طواف کیا، حجر اسود کو بھی بوسہ دیا، میں نے مقام ابراہیم پر بھی سجدے کئے، غلاف کعبہ پکڑ کر دعائیں مانگیں، وقوفِ عرفات میں حاضر ہوا، مزدلفہ میں بھی گیا، اے مالک! میں نے شیطان کو کنکریاں مار کر اپنی دشمنی اور نفرت کا اظہار کیا، اے اللہ اب قربانی کا وقت آگیا ہے، یہ اردگرد سب مالدار لوگ کھڑے ہیں، یہ جائیں گے اور جانور قربان کریں گے اے مالک تو جانتا ہے میرے پاس احرام کے علاوہ کچھ نہیں، اے اللہ میں آج اپنی جان آپ کے نام پر قربان کرنا چاہتا ہوں، یااللہ! میری قربانی قبول فرمالے۔''

مجمع کے سامنے اس نے یہ بات کہی کلمہ پڑھا اور اس کی روح پرواز کرگئی۔ (سبحان اللہ)

درسِ قرآن

تکبر کی قباحت اور اس کا نقصان

مولانا اعجاز احمد اعظمیؒ

تِلْکَ الدَّارُ الْآخِرَۃُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِیْنَ لَا یُرِیْدُوْنَ عُلُوّاً فِی الْاَرْضِ وَلَا فَسَاداً وَّالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ، مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَۃِ فَلَہٗ خَیْرٌ مِّنْهَا وَمَنْ جَاءَ بِالسَّیِّئَۃِ فَلَا یُجْزَی الَّذِیْنَ عَمِلُوا السَّیِّئَاتِ اِلَّا مَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ۔

یہ عالم آخرت ہم ان لوگوں کے لئے خاص کرتے ہیں جو دنیا میں نہ بڑا بننا چاہتے ہیں اور نہ فساد کرنا، اور نیک نتیجہ متقیوں کے لئے ہے، جو شخص نیکی لے کر آوے گا اس کو اس سے بہتر ملے گا، اور جو شخص بدی لے کر آوے گا سو ایسے لوگوں کو جو بدی کا کام کرتے تھے اتنا ہی بدلہ ملے گا جتنا وہ کرتے تھے۔

تشریح وتوضیح: اوپر کی آیات میں قارون کا ذکر تھا، جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ: اِنَّ قَارُوْنَ کَانَ مِنْ قَوْمِ مُوْسیٰ فَبَغیٰ عَلَیْهِم، قارون موسیٰ کی قوم ہی کا ایک فرد تھا، اس نے اپنی قوم پر سرکشی کی، اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے اسے زمین میں دھنسا دیا، اور جیسا کہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت تک دھنستا چلا جائے گا، یہ آیت اسی واقعہ کے ساتھ مربوط ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ دارِ آخرت ہم انھیں لوگوں کے لئے خاص کرتے ہیں جو دنیا میں بڑا بننا نہیں چاہتے، دنیا میں فساد کرنا نہیں چاہتے، یہ دونوں باتیں قارون کے اندر تھیں، بڑا بھی بننا چاہتا تھا اور فساد بھی کرتا تھا، چنانچہ اس کی قوم نے نصیحت کی تھی کہ: وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِی الْاَرْضِ کہ زمین میں فساد نہ مچاؤ، آفت مت برپا کرو، لیکن وہ نہیں مانا، بڑا بھی بننا چاہا اور زمین میں فساد بھی مچایا، اس کے نتیجے میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اسے ہلاک کیا، اللہ تعالیٰ یہاں یہ فرماتے ہیں کہ دارِ آخرت جو کہ جنت ہے، انھیں لوگوں کو

ملتا ہے جو نہ دنیا میں بڑا بننا چاہتے ہیں اور نہ فساد مچاتے ہیں۔

ایک ہے بڑا بننا، جس کا نام شریعت کی اصطلاح میں تکبر ہے، متکبرین کے لئے اللہ تعالیٰ نے آخرت میں جنت نہیں لکھی ہے، حدیث میں آتا ہے کہ: **لَایَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ کَانَ فِی قَلْبِهٖ مِثْقَالُ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ مِنْ کِبْرٍ** وہ شخص جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی تکبر ہوگا، وہ جنت میں نہ جائے گا۔

جنت سے وہ شخص محروم ہوگا جس کے دل میں کبر ہوگا، ہمارے زمانہ کا یہ خاص مرض ہے، بلکہ میں اگر یہ کہوں کہ دو مرض ہیں اس زمانے کے جو آپس میں لازم وملزوم ہیں تو غلط نہ ہوگا، ایک تو کبر ہے، اور پھر اس کبر کے نتیجے میں غصّہ ہے، ہر آدمی بڑا بننا چاہتا ہے، چھوٹا آدمی بھی اپنے کو بڑا ہی سمجھنے کی کوشش کرتا ہے، اور یہی سمجھتا ہے کہ ہم بڑے ہیں، تواضع اختیار کرنا، اللہ کے لئے پستی اختیار کرنا، خدا کے واسطے اپنے کو جھکا دینا، اپنے کو چھوٹا سمجھنا، اس کو آدمی سمجھتا ہے کہ ذلت ہے، حالانکہ قرآن وحدیث کی تعلیم یہ ہے کہ آدمی اپنے کو چھوٹا سمجھے، ہوگا وہ اپنی جگہ بڑا ہی، لیکن اسے حق نہیں کہ اپنے کو بڑا سمجھے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے بڑا بنایا، مخلوقات میں جس کی شان سب سے بڑی، سب سے افضل، سب سے اعظم ہے وہ جناب نبی کریم ﷺ، لیکن آپ کی تواضع کا یہ حال تھا کہ جب صحابہ کرام کے ساتھ چلتے تھے تو آگے بڑھنے کی کوشش نہیں کرتے تھے، بلکہ انھیں میں ملے جلے چلتے تھے، مجلس میں آپ اس طرح نہیں بیٹھتے تھے جس سے آپ کی کوئی امتیازی شان معلوم ہو، آنے والے اجنبی شخص کو پوچھنا پڑتا تھا کہ **من محمد فیکم؟** تم میں محمد کون ہیں۔ یہ ہے تواضع، اس تواضع کے بعد اللہ تبارک وتعالیٰ کسی کو اٹھاتے ہیں، حدیث شریف میں آیا ہے کہ: **مَنْ تَوَاضَعَ لله رَفَعَهُ اللهُ**، جو اللہ کے لئے تواضع اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے بلند فرماتے ہیں۔

ہمارے حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ لوگ

اتحاد، اتحاد بہت پکارتے ہیں کہ آپس میں اتفاق ہونا چاہیئے، اتحاد ہونا چاہیئے، لیکن جو اتفاق واتحاد کی جڑ ہے اسے کوئی اختیار نہیں کرتا، آپ نے فرمایا کہ اس کی جڑ ہے تواضع، آدمی اپنے کو ہر ایک سے چھوٹا سمجھے تو کسی کی کسی سے لڑائی ہوگی ہی نہیں، لڑائی تو اسی پر ہوتی ہے کہ میں بڑا ہوں، میری بات مان لی جانی چاہیئے، اور اگر اپنے کو چھوٹا کہہ دے تو پھر کوئی لڑائی نہیں۔

حضرت عمرؓ کی روایت ہے: **عن عمر قال وھو علی المنبر**، حضرت عمرؓ منبر پر کھڑے ہو کر ارشاد فرما رہے تھے: **یاأیھا الناس تواضعوا!** اے لوگو! تواضع اختیار کرو، پستی اختیار کرو، **فإنی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول** میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: **مَنْ تَوَاضَعَ لِلہِ رَفَعَہُ اللہُ**، جو اللہ کے لئے تواضع کرتا ہے، پستی اختیار کرتا ہے یعنی اللہ کی عظمت اور اس کی کبریائی کے سامنے اپنے کو بالکل ذلیل اور فنا سمجھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے بلند فرماتے ہیں، اب اس کے بعد والا جملہ قابل غور ہے، فرماتے ہیں: **فھو فی نفسہ صغیر وفی أعین الناس عظیم**، وہ اپنے نزدیک تو بہت ذلیل وحقیر ہوتا ہے لیکن لوگوں کی نگاہ میں بہت بڑا ہوتا ہے، اور یہ حقیقت ہے کہ جو شخص اپنے کو چھوٹا اور ذلیل خیال کرتا ہے لوگوں کی نگاہ میں اس کی عظمت جم جاتی ہے، اور اسی کے مقابلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **ومن تکبر** اور جو تکبر اختیار کرتا ہے، اور اپنے کو بڑا سمجھتا ہے اور بنتا ہے، **وضعہ اللہ**، اس کو اللہ تعالیٰ گرا دیتے ہیں، پست کر دیتے ہیں، تو حال یہ ہوتا ہے کہ **فھو فی أعین الناس صغیر وفی نفسہ کبیر**، وہ اپنے نزدیک تو بہت بڑا ہے، سمجھتا ہے کہ میں سب سے بڑھ کر ہوں، اور دوسروں کے نزدیک انتہائی پست اور ذلیل ہوتا ہے، اور یہ مشاہدہ کی بات ہے کہ جب کوئی شخص اپنی بڑائی ہانکتا ہے، ڈینگ مارتا ہے تو سننے والا اس وقت تو چاہے سن لے، مگر پیچھے یہی کہتا ہے کہ بڑا کمینہ انسان ہے، دیکھو تو کیسی شیخی بگھار رہا تھا، یہ انسان کی فطرت میں ہے کہ متکبر کو وہ ذلیل وکمینہ سمجھتا ہے، اب آگے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد سنئے! فرماتے ہیں: **حتیٰ لھو أھون علیھم من کلبٍ او خنزیرٍ**، یہاں تک کہ وہ لوگوں کے نزدیک کتے اور خنزیر سے بھی

زیادہ ذلیل ہوتا ہے، یعنی لوگ کتے اور خنزیر کو کچھ سمجھیں گے، لیکن اس متکبر کو کوئی درجہ دینے کے لئے تیار نہ ہوں گے، انتہائی ذلیل ہوتا ہے وہ انسان جو اپنے کو بڑا سمجھتا ہے، اسے خیال ہوتا ہے کہ میری بڑائی قائم رہنی چاہیئے، تو دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کیسا اسے ذلیل ورُسوا کررہے ہیں، اور یہ جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: **تِلْکَ الدَّارُ الْآخِـرَۃُ نَجْعَلُھَا لِلَّذِیْنَ لَایُرِیْدُوْنَ عُلُوّاً فِی الْأَرْضِ وَ لَافَسَاداً۔** یہ عالم آخرت ہم ان لوگوں کے لئے خاص کرتے ہیں جو دنیا میں تکبر نہیں کرتے اور فساد نہیں مچاتے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: **ألا أخبر کم بأھل الجنۃ،** میں اہل جنت کے متعلق بتادوں کہ وہ کون لوگ ہیں؟ صحابہ نے عرض کیا ضرور یارسول اللہ! فرماتے ہیں: **کل ضعیفٍ مستضعفٍ،** ہر وہ انسان جو کمزور ہو اور لوگ بھی اسے کمزور سمجھتے ہوں، نیک ہو، دیندار ہو، پرہیزگار ہو، لیکن اس کی عظمت لوگوں کے دلوں میں نہ ہو، اور خود بھی اپنے کو چھوٹا ہی سمجھتا ہو، وہ جنت میں جائے گا، اس کی نیکی، اس کی تواضع کی وجہ سے ہے، اللہ کے یہاں اس کی عظمت کا یہ حال ہے کہ: **لو أقسم علی اللہ لأبرہ** یعنی اگر وہ اللہ کے اوپر کسی بات کی قسم کھا بیٹھے کہ ایسا ضرور ہوگا تو اللہ تعالیٰ اسے پورا کردیں گے، ہے وہ کمزور آدمی لیکن خدا کے نزدیک اس کا مقام وہ ہے کہ خدا اس کی قسم پوری فرماتے ہیں۔

تکبر ہمارے زمانہ کا خاص مرض ہے، یہ کتنی بری چیز ہے، اسی کو ہمارے حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب نور اللہ مرقدہٗ فرماتے تھے کہ اگر انسان کو تکبر اور اس کی غلاظت کا اِدراک ہوجائے تو اسے قے آجائے گی کہ اُف کس قدر گندی چیز ہے، تکبر کے ہوتے ہوئے انسان جنت کا مستحق نہیں ہوتا، اسی کو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: **تِلْکَ الدَّارُ الْآخِـرَۃُ نَجْعَلُھَا لِلَّذِیْنَ لَایُرِیْدُوْنَ عُلُوّاً فِی الْأَرْضِ وَ لَافَسَاداً وَّ الْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ،** یہ عالم آخرت ہم ان لوگوں کے لئے خاص کرتے ہیں جو دنیا میں نہ بڑا بننا چاہتے ہیں اور نہ فساد کرنا، اور نیک نتیجہ متقیوں کے لئے ہے، آگے ارشاد فرماتے ہیں: **مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَۃِ فَلَہٗ خَیْرٌ مِّنْھَا،** قیامت کے دن جو کوئی نیکی لے کر آوے گا اس کو خدا تعالیٰ

کے یہاں بدلہ اس سے اچھا ملے گا، کر کے تو آؤ، یہاں نفع کا سودا ہے نقصان کا سودا نہیں ہے، تم ذرا سا عمل کر کے آؤ گے تو ہم اس سے بہتر اجر دیں گے۔ وَمَنْ جَاءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزَى الَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّئَاتِ إِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۔ اور جو کوئی برائی لے کر آوے گا، کسی طرح کا گناہ لاوے گا تو یہ سمجھ لو کہ جتنا گناہ کیا ہوگا اتنا ہی بدلہ دیں گے، اس سے زیادہ نہیں دیں گے، نیکی کا بدلہ تو زیادہ دیں گے اور برائی کا بدلہ اسی کے بقدر دیں گے، بلکہ بہت سا تو معاف کر دیں گے۔

اب آپ سمجھ لیجئے کہ کبر کے بارے میں قرآن وحدیث میں یہ جو وعید آئی ہے کہ متکبر جنت کا مستحق نہیں ہے، اس سے معلوم ہوا کہ تکبر اتنا بڑا گناہ ہے کہ اس کا پورا بدلہ یہی ہے کہ انسان جنت سے محروم کر دیا جائے اور جہنم میں جائے، اور اس میں کوئی زیادتی اس کے اوپر نہیں کی جا رہی ہے، خدا کی عظمت وکبریائی کے ہوتے ہوئے اگر کوئی شخص اپنے دل میں بڑائی محسوس کرتا ہے تو وہ ایسی ہی سزا کا مستحق ہے، جس کا ذکر قرآن وحدیث میں آیا ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ ہم کو اس بیماری سے محفوظ رکھیں، جہنم سے بچائیں اور جنت میں جگہ عطا فرمائیں۔ آمین

مساجد کی آبادی مکاتب کے بغیر نہیں ہوسکتی

حضرت مولانا علی میاں ندویؒ نے فرمایا ہمارا کام اس وقت تک قابل اطمینان نہیں ہوگا، جب تک مسلمان اپنے بچوں کی تعلیم کو ان کی غذا اور دوا سے زیادہ اہم نہیں سمجھیں گے اور دینی مکاتب ومدارس کو اس ذوق وشوق سے قائم کریں جس سنجیدگی اور ذوق وشوق سے وہ مساجد کی تعمیر کرتے ہیں اس لیے کہ ان مساجد کی آبادی ان مکاتب کے بغیر ممکن نہیں، جب تک ہم اس راہ کے مصارف کو اپنا اہم ترین اور مقدس ترین فرض نہ سمجھیں گے اور اس میں صدیقی ذوق اور عثمانی جذبے کے ساتھ حصہ نہ لیں گے اور جب تک ہم اس راہ کی کوشش کو عبادت کا درجہ نہیں دیں گے اس وقت تک ہمارا کام قابل اطمینان نہیں ہوگا۔

(ہفت روزہ ''نوید شمس'' مالیگاؤں ۴/نومبر ۲۰۱۱ء)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چند اہم نصیحتیں

مولانا محمد خالد سعید مبارکپوری استاذ تخصص فی الحدیث مظاہر علوم سہارنپور

ساتویں نصیحت

وَاعْلَمْ أنَّ فی الصبرِ علٰی ماتَکْرَہُ خیراً کثیراً۔(مسند احمد ۱/۳۰۷)اوراس بات کا یقین رکھو کہ تمہیں جو چیز نا گوار ہو اس پر صبر کرنے میں بہت ہی خیر ہے۔

تمام انسان اور خصوصاً صلحاء اور مقربین خدا کو اس دنیوی زندگی میں طرح طرح کی آزمائشوں، مصیبتوں اور حادثات کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اور نوع بہ نوع کی مشکلات اور نا گوار حالات سے دو چار ہونا پڑتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''وَلَنَبْلُوَنَّکُمْ بِشَیْئٍ مِنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ الصَّابِرِیْنَ(البقرۃ ۱۵۵)'' اور ہم تمہیں کسی قدر خوف اور بھوک اور مالوں، جانوں اور پھلوں کی کمی کے ذریعے ضرور آزمائیں گے، اور آپ صبر کرنے والوں کو بشارت سنا دیجئے۔

اور دوسری جگہ ارشاد ہے: لَتُبْلَوُنَّ فِیْ اَمْوَالِکُمْ وَاَنْفُسِکُمْ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوْا الْکِتَابَ مِنْ قَبْلِکُمْ وَمِنَ الَّذِیْنَ اَشْرَکُوْا اَذًی کَثِیْرًا وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِکَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ (آل عمران ۱۸۶) تم اپنے مالوں اور اپنی جانوں میں ضرور آزمائے جاؤ گے، اور ان لوگوں کی طرف سے جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی اور مشرکین کی طرف سے بہت سی ایذا پہنچانے والی باتیں ضرور سنو گے، اور اگر صبر کرو گے اور پرہیزگاری اختیار کرو گے تو یقینا یہ تاکیدی احکام میں سے ہے۔

اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: إنَّ عُظْمَ الجزاءِ مَعَ عُظْمِ البلاء، وإن اللہَ اذا أحبَّ قوماً ابتلاھم فمَنْ رَضِیَ فلہ الرِضیٰ، و مَنْ سَخِطَ فلہ السَخَطُ۔

(الترمذی کتاب الزہد ۲/۶۵ وابن ماجہ ص ۲۹۲)

بے شک بڑا اجروثواب بڑی آزمائش کے ساتھ ہے، اور یقینا اللہ تعالیٰ جب کسی قوم سے محبت فرماتے ہیں تو ان کو آزمائش میں ڈالتے ہیں تو جو آزمائش پر راضی رہتا ہے تو اسکے لیے دنیاو آخرت میں اللہ کی رضا ہے اور جو شخص آزمائش پر ناراض ہوتا ہے اور اس کو ناپسند کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی بھی اس کے لیے ناراضگی ہے

بہرحال اس دنیا میں انسان کو مصیبتوں اور آزمائشوں کا سامنا ہوتا ہی ہے اور اس حال میں شریعت کا حکم اس کے لیے یہ ہے کہ وہ اول تسلیم ورضا اختیار کرے اور اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو صبر کا دامن مضبوطی سے تھامے رکھے۔

مصیبت کی حالت میں مومن کے لیے یہ دو درجے ہیں، اول رضا، یہ تو بہت ہی اونچا درجہ ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ مؤمن کا قلب اس یقین کی وجہ سے بالکل مطمئن رہے کہ جو کچھ مصیبت وآزمائش مجھ پر آرہی ہے وہ سب میرے اللہ کی قضاء وقدر سے ہے اور میرا آقا مجھے اسی حال میں رکھنا چاہتا ہے، اس لیے میں اسی حالت سے خوش اور راضی ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے ایک موقع پر قرآن کریم میں اس کی تعلیم یوں فرمائی ہے: **مَا اَصَابَ مِنْ مُصِیْبَۃٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰہِ وَمَنْ یُّؤْمِنْ بِاللّٰہِ یَھْدِ قَلْبَہٗ وَاللّٰہُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ۔ وَاَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ (التغابن ۱۱)**

یعنی مصیبت میں یہ سمجھنا چاہئے کہ کوئی مصیبت اللہ کے حکم کے بغیر نہیں آتی، اور یہ سمجھ کر صبر ورضا اختیار کرنا چاہئے، اور جو شخص اللہ پر پورا ایمان رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اسکے قلب کو صبر ورضا کی راہ دکھادیتا ہے، اور اللہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے، کہ کس نے صبر ورضا اختیار کیا اور کس نے نہیں کیا، اور ہر ایک کو حسب حکمت جزا و سزا دیتا ہے اور خلاصۂ کلام یہ ہے کہ ہر امر میں جس میں مصائب بھی داخل ہیں اللہ کا کہنا مانو اور رسول کا کہنا مانو، (معارف القرآن)

حضرت ابوالدرداءؓ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جب کوئی فیصلہ فرماتے ہیں تو اس بات کو پسند فرماتے ہیں کہ اس کے فیصلے سے راضی رہا جائے۔

اورحضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالی نے اپنے عدل وانصاف کے ذریعہ راحت وخوشی کو یقین ورضامیں رکھ دیا ہے، اور پریشانی وغم کو شک اورناراضگی یعنی قضا کوناپسند کرنے میں رکھ دیا ہے، اورقضا سے راضی رہنے والا آسودگی وپریشانی جس حال میں بھی رہتا ہے اس کے علاوہ کی تمنا نہیں کرتا۔

جس شخص کورضا کا یہ درجہ حاصل ہوجاتا ہے اس کی پوری زندگی خوشی اورنعمت ہی میں گذرتی ہے، اللہ تعالی فرماتے ہیں: ''مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيَاةً طَيِّبَةً'' (النحل ۹۷)

جوبھی مرد یاعورت نیک عمل کرے گا بشرطے کہ مومن ہوتو ہم اسے عمدہ زندگی دیں گے۔

ابن رجبؒ نے بعض سلف سے نقل کیا ہے کہ ''حیاۃ طیبہ'' (عمدہ زندگی) سے مراد رضااورقناعت ہے، اورعبدالواحد بن زیدؒ فرماتے ہیں کہ رضااللہ کا سب سے عظیم دروازہ ہے اوردنیا کی جنت اورعابدوں کی استراحت ہے۔

اہل رضا ہرحال میں خوش رہتے ہیں اس لیے کہ ان کی نظر کبھی تو آزمائش میں مبتلا کرنے والے آقا کی حکمت اورآزمائش کوان کے لیے منتخب کرنے کی طرف ہوتی ہے اوروہ اس کے فیصلے کواپنے حق میں بہتر جانتے ہیں، اورکبھی ان کے پیش نظر رضابالقضاء کا اجروثواب ہوتا ہے جوانہیں مصیبت کی تکلیف بھلادیتا ہے، اورکبھی وہ ابتلاء میں ڈالنے والے رب کی عظمت وجلال اوراس کے کمال کوملاحظہ کرتے ہیں اوراس کے مشاہدے میں ایسا مستغرق ہوجاتے ہیں کہ انہیں تکلیف کا احساس ہی نہیں ہوتا، اوراس مقام ومرتبہ تک اہل محبت ومعرفت میں سے خواص ہی پہنچ پاتے ہیں یہاں تک کہ انھیں ان مصیبتوں میں بھی کبھی لذت محسوس ہونے لگتی ہے کیونکہ ان کے پیش نظر یہ ہوتا ہے کہ یہ سب ان کے محبوب کی جانب سے ہے، اورسچے محب اورعاشق کو محبوب کی طرف سے جوکچھ بھی پیش آئے اس میں تکلیف نہیں بلکہ لذت ہی محسوس ہوتی ہے۔

اوررضابالقضاء ایسی عظیم نعمت ہے کہ اللہ سے اس کو مانگنا چاہیئے، نبی کریم صلی اللہ

علیہ وسلم اپنی دعا میں فرمایا کرتے تھے : ''اَللّٰھُمَّ إِنِّی أَسْأَلُکَ الرِّضابعدَالقضاءِ'' (المعجم الأوسط ۶؍ ۱۶۵ رقم الحدیث ۶۰۹۱) (اے اللہ میں آپ سے قضا کے بعد رضا مانگتا ہوں)

اور دوسرا درجہ آزمائش پر صبر کرنا ہے، اور یہ اس شخص کے لیے ہے جس کے اندر رضا بالقضاء کی استطاعت نہ ہو، رضا تو ایک مستحب اور فضیلت کی چیز ہے لیکن صبر ہر مومن کے لیے واجب اور ضروری ہے، اور صبر کے اندر بہت ہی خیر ہے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **و اعلم أن فی الصبر علی ماتکرہ خیر اً کثیر**ا (یعنی نا گوار چیز پر صبر کرنے میں بہت ہی خیر ہے)

اور اللہ تعالیٰ نے بھی صبر کرنے والوں کے لیے بڑے اجر وثواب کے وعدے فرمائے ہیں ایک جگہ ارشاد ہے: إِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَاب۔ (الزمر ۱۰) صبر کرنے والوں کو ان کا ثواب گنے بغیر پورا پورا دیا جائے گا۔

حضرت حسنؒ فرماتے ہیں رضا مشکل اور دشوار ہے لیکن صبر مومن کا سہارا ہے۔

ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں کہ رضا اور عدم رضا کا تعلق قلب سے ہے چنانچہ ایسے بہت سے لوگ ہیں جو تکلیف، پریشانی اور بیماری کی وجہ سے آہیں بھرتے ہیں اور کراہتے ہیں لیکن ان کا دل تسلیم ورضا سے معمور ہوتا ہے۔

رضا اور صبر کے درمیان فرق: صبر کہا جاتا ہے تکلیف کے احساس اور اس کے زوال کی تمنا کے باوجود نفس کو ناراضگی (قضا کی ناپسندیدگی) سے روکے رکھنا، اور اعضاء وجوارح کو بے صبری اور گھبراہٹ کے تقاضے پر عمل سے باز رکھنا۔

اور رضا کہا جاتا ہے قضاء پر دل کا مطمئن اور خوش رہنا اور تکلیف کے احساس کے باوجود بھی تکلیف دہ چیز کے دور ہونے کی تمنا نہ کرنا۔

البتہ رضا قلب کے اندر پائے جانے والے یقین ومعرفت کی خوشی کی وجہ سے اس تکلیف کو ہلکا کر دیتی ہے، اور رضا کا درجہ جس قدر قوی ہوتا جاتا ہے تکلیف کا احساس بھی اسی قدر کم ہوتا جاتا ہے، حتی کہ بعض مرتبہ تکلیف کا بالکل ہی احساس نہیں ہوتا۔ (جامع العلوم والحکم ص ۱۹۴)

عشرۂ ذی الحجہ، قربانی اور اس کا پیغام

ابوجندل قاسمی
استاذ تفسیر وحدیث مدرسہ قاسم العلوم تیوڑہ ضلع مظفر نگر یوپی

ماہِ ذی الحجہ اسلامی سال کا آخری مہینہ ہے، اللہ تعالیٰ نے قرآنِ پاک میں ماہِ ذی الحجہ کے شروع کی دس راتوں کی قسم کھائی ہے، قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :وَالْفَجْرِ۔وَلَيَالٍ عَشْرٍ۔ وَالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ۔قسم ہے فجر کے وقت کی، اور دس راتوں کی، اور جفت کی اور طاق کی۔(حضرت تھانویؒ)

ان تین آیتوں میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے چار قسمیں کھائی ہیں، عبداللہ بن عباسؓ، امام التفسیر مجاہدؒ اور عکرمہؒ وغیرہ کے بقول فجر سے مراد یوم النحر یعنی دس ذی الحجہ کی فجر ہے، اور دس راتوں سے مراد ذی الحجہ کی شروع کی دس راتیں، جفت سے مراد ذی الحجہ کی دسویں تاریخ یعنی قربانی کا دن، اور طاق سے مراد نویں تاریخ یعنی عرفہ کا دن ہے۔(تفسیر قرطبی ۲۰/ ۲۷)

ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کو کسی بات کا یقین دلانے کے لیے قسم کھانے کی ضرورت نہیں، لیکن اللہ تعالیٰ کا کسی چیز کی قسم کھانا اس چیز کی عزت وحرمت پر دلالت کرتا ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ان راتوں اور دنوں کی قسم کھانا ان کی عظمتِ شان اور اہمیت پر دلالت کر رہا ہے۔

احادیثِ شریفہ میں بھی عشرۂ ذی الحجہ کی بڑی فضیلت بیان کی گئی ہے، چناں چہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **مَا مِنْ اَيَّامٍ اَلْعَمَلُ الصَّالِحُ فِيْهِنَّ اَحَبُّ اِلَى اللهِ مِنْ هٰذِهِ الْاَيَّامِ الْعَشَرِ فقالُوا يارسول الله وَ لَا الْجِهَادُ فِى سَبِيْلِ اللهِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ و لَا الْجِهَادُ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ اِلَّا رَجُلٌ خَرَجَ بِنَفْسِهٖ وَ مَالِهٖ فَلَمْ يَرْجِعْ مِنْ ذٰلِكَ بِشَيْءٍ**۔(ترمذی شریف ۱/ ۱۵۸، سنن ابی داؤد حدیث ۲۴۴۰، بخاری شریف ۱/ ۱۳۲) یعنی اللہ تعالیٰ کو عملِ صالح جتنا ان دس دنوں میں

محبوب ہے اتنا کسی دوسرے دن میں نہیں، صحابہ کرامؓ نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا جہاد فی سبیل اللہ بھی اتنا محبوب نہیں؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہاں جہاد فی سبیل اللہ بھی اتنا محبوب نہیں، مگر یہ کہ کوئی شخص اپنی جان و مال لے کر نکلا اور ان میں سے کوئی چیز لے کر نہ لوٹا، سب کچھ اللہ کے راستے میں قربان کردیا۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **مَا مِنْ اَیَّامٍ اَحَبُّ الی اللّٰہ اَنْ یُّتَعَبَّدَ لَہٗ فِیْھَا مِنْ عَشَرِ ذِی الْحِجَّۃِ یَعْدِلُ صِیَامُ کُلِّ یَوْمٍ مِنْھَا صِیَامَ سَنَۃٍ وقِیَامُ کُلِّ لَیْلَۃٍ مِنْھَا بِقِیَامِ لَیْلَۃِ الْقَدْرِ** ۔ (ترمذی شریف ۱/۱۵۸) یعنی اللہ تعالیٰ کو کسی اور دن میں عبادت اتنی محبوب نہیں جتنی ذی الحجہ کے دس دنوں میں محبوب ہے، عشرۂ ذی الحجہ کے ہر دن کا روزہ ایک سال کے روزوں کے برابر (ثواب رکھتا) ہے اور ہر رات میں (عبادت کے لیے) قیام شب قدر میں (عبادت کے لیے) قیام کے برابر ہے۔

عشرۂ ذی الحجہ کے اعمال: ذی الحجہ کے ان دس دنوں میں کچھ اعمال خصوصی طور پر مقرر کیے گئے ہیں، ان کو بیان کردینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

۱۔ عشرۂ ذی الحجہ کے روزے: (یکم ذی الحجہ سے نو ذی الحجہ تک روزے رکھنا) ان ایام میں روزہ رکھنے کا عظیم ثواب ہے، حدیث شریف گزر چکی ہے کہ ایک روزہ رکھنے کا ثواب ایک سال روزہ رکھنے کے برابر ہے، لہٰذا اگر کوئی شخص محض نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک معمول کی پیروی کی نیت سے ان ایام میں روزہ رکھے تو بڑے اجر و ثواب کی امید ہے، ان شاء اللہ تعالیٰ، اگر سب روزے نہ رکھے تو کم از کم ''یوم عرفہ'' کا روزہ ضرور رکھ لے، کیوں کہ اس ایک روزے سے دو سال (سال گزشتہ و آئندہ) کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں، اسی طرح راتوں میں اپنی ہمت کے مطابق بیدار رہ کر عبادت کرنا، کہ اگر کسی ایک رات میں بھی عبادت کی توفیق ہوگئی تو گویا اس کو شب قدر میں عبادت کی توفیق ہوگئی۔

۲۔ بال و ناخن نہ کاٹنا: دوسرا عمل ان دنوں میں یہ ہے کہ جس شخص کا قربانی کرنے

کا ارادہ ہو اس کے لیے مستحب یہ ہے کہ ذی الحجہ کا چاند نظر آنے کے بعد حجامت نہ بنوائے، اور نہ ناخن کاٹے، قربانی کرنے کے بعد اس ضرورت کو پورا کرے۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **مَنْ كَانَ لَهُ ذِبْحٌ يَذْبَحُهُ فَإِذَا اَهَلَّ هِلَالُ ذِى الْحِجَّةِ فَلَا يَأْخُذَنَّ مِنْ شَعْرِهٖ وَ لَا مِنْ اَظْفَارِهٖ شَيْئاً حَتىٰ يُضَحِّيَ۔** (مسلم شریف ۲/ ۱۶۰، مشکوٰۃ شریف ص ۱۲۷) جس شخص کے پاس کوئی جانور ہو جس کو ذبح کرنے کا اس کا ارادہ ہو پس جب ذی الحجہ کا چاند نظر آجائے تو وہ قربانی کرنے تک اپنے بال اور ناخن نہ کاٹے۔

اس کی وجہ علماء کرام نے یہ بیان فرمائی ہے کہ دراصل یہ عشرہ حج کا ہے، انہیں ایام میں حجاج احرام باندھ کر مکہ مکرمہ حاضر ہوتے ہیں اور حج کرتے ہیں، اور احرام کی حالت میں ان لوگوں پر شریعت نے بہت سی پابندیاں عائد کی ہیں، مثلا سلا ہوا کپڑا نہیں پہن سکتے، خوشبو نہیں لگا سکتے، وغیرہ وغیرہ، انہیں میں سے ایک پابندی یہ ہے کہ بال اور ناخن نہیں کاٹ سکتے، ظاہر ہے کہ حج کی برکات اور احرام کی یہ پابندیاں انہیں لوگوں کے لیے ہیں جو وہاں حاضر ہو کر حج کریں، لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے سارے اہل ایمان کو اس کا موقع دیا ہے کہ جب حج کے یہ ایام آئیں تو وہ اپنی اپنی جگہ رہتے ہوئے بھی حج اور حجاج سے ایک نسبت پیدا کرلیں، اور ان کے کچھ اعمال میں شریک ہوجائیں، اور اس طریقے سے بھی حجاج سے ایک مناسبت ومشابہت پیدا کریں، (مستفاد از معارف الحدیث بتغیر ۳/ ۴۱۸)

امید ہے کہ جس وقت میدان عرفات اور دیگر مقاماتِ مقدسہ میں اللہ تعالیٰ اپنے ان عاشقوں پر رحمت کی بارش برسائیں گے تو ان شاء اللہ تعالیٰ ہم اور آپ بھی اس سے محروم نہیں رہیں گے۔ کیوں کہ: رحمتِ حق بہانہ می جوید ☆ رحمتِ حق بہا نمی جوید۔

فائدہ: مگر یہ مسئلہ اس شرط کے ساتھ ہے کہ زیر ناف، بغلوں کی صفائی اور ناخن کاٹے چالیس روز نہ گزرے ہوں، اگر چالیس دن گزر گئے ہوں اور عشرۂ ذی الحجہ چل رہا ہو تو پھر ان چیزوں کی صفائی ضروری ہے۔ (احسن الفتاویٰ ۷/ ۴۹۶، جامع الفتاویٰ ۸/ ۱۴۳)

۳-شب عید میں عبادت: تیسرا عمل یہ ہے کہ عید کی رات میں بیدار رہ کر اپنی ہمت و طاقت کے مطابق عبادت کرے، عید الفطر کی رات ہو یا عید الاضحیٰ کی، دونوں راتوں میں عبادت کرنے کی بعض احادیث شریفہ میں بڑی فضیلت بیان کی گئی ہے، چناں چہ حضرت ابوامامہ باہلیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **مَنْ قَامَ لَيْلَتَيِ الْعِيْدَيْنِ مُحْتَسِباً لِلّٰہِ لَمْ يَمُتْ قَلْبُہٗ يَوْمَ تَمُوْتُ الْقُلُوْب۔** (ابن ماجہ، ص ۱۲۷، حدیث ۱۷۸۲)

جوشخص عیدین کی راتوں میں (عبادت کے لیے) کھڑا ہو اللہ تعالیٰ سے ثواب کی امید رکھتے ہوئے تو اس کا دل اس دن (قیامت کے دن) نہیں مرے گا جس دن بہت سے دل مر جائیں گے۔

اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ پانچ راتوں میں دعا رد نہیں ہوتی، ضرور قبول ہوتی ہے، جمعہ کی رات، رجب کی پہلی رات، نصف شعبان کی رات، اور عیدین کی راتیں۔ (شعب الایمان للبیہقیؒ ۳/ ۳۴۲، حدیث ۳۷۱۳)

۴-تکبیر تشریق: چوتھا عمل ان ایام میں ''تکبیر تشریق'' ہے، تکبیر تشریق کے الفاظ یہ ہیں: اَللّٰہُ اکبر اَللّٰہُ اکبر لاإلٰہ إلّا اللّٰہ وَاللّٰہُ اکبر اَللّٰہُ اکبر ولِلّٰہِ الحمد، تکبیرِ تشریق میں تین معزز اور مقرب بندوں کے الفاظ موجود ہیں: (۱) جس وقت حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کیا جا رہا تھا اور حضرت جبریل علیہ السلام مینڈھا لے کر تشریف لائے تو انہوں نے ذبح کرنے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عجلت کو محسوس کر کے فرمایا: اللّٰہُ اکبر اللّٰہُ اکبر، (۲) جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آسمانی قربانی کو دیکھا تو فرمایا: لا الٰہ الاّ اللّٰہُ و اللّٰہُ اکبر، (۳) جب حضرت اسماعیل علیہ السلام کو یہ معلوم ہوا تو فرمایا: اللّٰہُ اکبر و لِلّٰہِ الحمد۔ (شامی بیروتی ۳/ ۵۸)

یہ تکبیر یومِ عرفہ یعنی نو ذی الحجہ کی نمازِ فجر سے شروع ہو کر تیرہ (۱۳) ذی الحجہ کی عصر کی نماز تک جاری رہتی ہے، یہ کل تیئس (۲۳) نمازیں اور نمازِ عید الاضحیٰ کو ملا کر چوبیس (۲۴) نمازیں ہو جاتی ہیں۔

۵– قربانی: پانچواں اور سب سے افضل عمل جو ذی الحجہ کے ان دنوں میں مقرر فرمایا گیا ہے وہ ''قربانی'' کا عمل ہے، قربانی ایک اہم عبادت اور شعائر اسلام میں سے ہے، زمانۂ جاہلیت میں بھی اس کو عبادت سمجھا جاتا تھا مگر بتوں کے نام پر قربانی کی جاتی تھی، اسلام کے علاوہ دوسرے مذاہب میں قربانی مذہبی رسم کے طور پر ادا کی جاتی ہے، مشرکین بتوں کے نام پر اور عیسائی مسیح کے نام پر قربانی آج بھی کرتے ہیں، سورۂ کوثر میں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا ہے کہ :فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَ انْحَر ''اپنے رب کے لیے نماز پڑھیے اور قربانی کیجیے''، یعنی جس طرح نماز اللہ کے علاوہ کسی کی نہیں ہوسکتی، اسی طرح قربانی بھی اس کے علاوہ کسی اور کے نام کی نہیں ہوسکتی، اسی مفہوم کو ایک دوسری آیت میں اس طرح فرمایا گیا: قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَ نُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ (سورۂ انعام) بے شک میری نماز اور میری قربانی اور میرا جینا اور میرا مرنا اس اللہ کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد دس سال مدینہ طیبہ میں قیام فرمایا، آپ ہر سال برابر قربانی کیا کرتے تھے، اس سے معلوم ہوا کہ قربانی صرف مکہ معظّمہ میں حج کے موقع پر ہی واجب نہیں، بلکہ جمہور علماء اسلام کے نزدیک ہر شخص پر ہر شہر میں واجب ہے، بشرطیکہ شریعت نے قربانی کے واجب ہونے کے لیے جو شرائط و قیود بیان کی ہیں وہ پائی جائیں۔

اسی وجہ سے وسعت کے باوجود قربانی نہ کرنے پر سخت تنبیہ فرمائی گئی ہے، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مَنْ وَجَدَ سَعَةً لِاَنْ یُضَحِّیَ فَلَمْ یُضَحِّ فَلَا یَحْضُرْ مُصَلَّانَا (السنن الکبریٰ للبیہقیؒ ۹/۲۶۰، الترغیب والترہیب ۲/۱۰۰) یعنی جو شخص قربانی کی گنجائش رکھنے کے باوجود قربانی نہ کرے وہ ہماری عیدگاہ میں نہ آئے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشادِ مبارک سے قربانی کی اہمیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

ایامِ قربانی میں قربانی سے بڑھ کر کوئی عمل نہیں

قربانی کے دنوں میں دیگر عبادات و اعمال کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ کو قربانی کا عمل

سب سے زیادہ پسندیدہ ہے، چناں چہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مَا عَمِلَ آدَمِیٌّ مِنْ عَمَلٍ یَوْمَ النَّحْرِ اَحَبُّ الی اللّٰہِ مِنْ اِھْرَاقِ الدَّمِ اِنَّہٗ لَیَأْتِیْ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ بِقُرُوْنِھَا و اَشْعَارِھَا و اَظْلَافِھَا و اِنَّ الدَّمَ لَیَقَعُ مِنَ اللّٰہِ بِمَکَانٍ قَبْلَ اَنْ یَقَعَ مِنَ الاَرْضِ فَطِیْبُوْا بِھَا نَفْسًا، (ترمذی شریف ۱/ ۲۵۷، ابن ماجہ ص ۲۲۶) قربانی کے دن آدمی کا کوئی عمل اللہ تعالیٰ کو خون بہانے (قربانی) سے زیادہ محبوب نہیں، اور قربانی کا جانور قیامت کے دن اپنے سینگوں، بالوں اور کھروں کے ساتھ زندہ ہو کر آئے گا، اور قربانی کا خون زمین پر گرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی رضا اور قبولیت کے مقام پر پہونچ جاتا ہے، پس اے خدا کے بندوں! دل کی پوری خوشی سے قربانی کیا کرو۔

اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی نام نہاد دانشور شخص یہ کہے کہ قربانی میں صرف خون بہانا ہے اور گوشت کھانا ہے، اس لیے قربانی کے بجائے قیمت کا صدقہ کردینا بہتر ہے، تا کہ غرباء رقم کو اپنی کسی بھی ضرورت میں خرچ کرسکیں، تو ان کی یہ بات ناواقفیت پر مبنی اور شریعت کے قطعاً خلاف، ہرگز لائقِ توجہ نہیں، غریب کو صدقہ دینے کا حکم الگ ہے اور قربانی کا حکم الگ ہے، اللہ تعالیٰ نے قربانی کو جو واجب قرار دیا ہے اس کا اصل مقصد خون بہانا ہی ہے، اور ایامِ قربانی میں یہی اللہ تعالیٰ کو زیادہ پسند ہے، صدقہ مقصود نہیں۔

قربانی کا پیغام

قربانی کے اس عظیم عمل میں مسلمانوں کے لیے دو پیغام ہیں:

۱- ایک پیغام تو یہ ہے کہ دین درحقیقت اتباع کا نام ہے، اور اصل مقصود اللہ تعالیٰ کے حکم کی بجا آوری ہے، اللہ تعالیٰ کا حکم آجانے کے بعد عقلی گھوڑے دوڑانا اور حکمتیں و مصلحتیں تلاش کرنا مناسب نہیں، قربانی حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما الصلاۃ والسلام کے عملِ قربانی کی یادگار ہے، تو جس طرح انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے سامنے

بے چون وچرا سرِ تسلیم خم کر دیا، ہمیں بھی اپنی پوری زندگی اسی کے مطابق ڈھالنی ہے، اسی بات کو تقریباً قرآنِ کریم کی اس آیت میں فرمایا گیا ہے: **لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ**۔ (سورۂ حج آیت ۳۷) اللہ کو نہیں پہونچتا ان کا گوشت اور نہ ان کا لہو لیکن اس کو پہونچتا ہے تمہارے دل کا ادب۔

یہی حکم دوسری تمام عبادات کا ہے کہ نماز کی نشست و برخاست، روزے میں بھوکا پیاسا رہنا، زکوٰۃ میں محض مال کا خرچ کر دینا، حج میں محض کعبۂ مشرفہ اور میدانِ عرفات وغیرہ کا چکر لگانا مقصودِ اصلی نہیں، بلکہ اصل مقصود قلبی اخلاص ومحبت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل ہے، اگر یہ عبادات اس اخلاص ومحبت سے خالی ہیں تو صرف صورت اور ڈھانچہ ہے، روح غائب ہے۔

۲ — دوسرا پیغام قربانی کی اس عظیم یادگار سے ہمیں یہ ملتا ہے کہ آج اس جانور کا خون اللہ تعالیٰ کے کے حکم پر بہایا جارہا ہے، اگر ضرورت پڑی تو دین کی خاطر اسی طرح اپنے مال اور اپنی جان کا نذرانہ پیش کردوں گا، یہی وجہ ہے کہ قربانی کے جانور کو اپنے ہاتھ سے ذبح کرنا افضل ہے، اور اگر بڑے جانور میں زیادہ حصے دار ہوں تو قربانی کرنے کے وقت سب کا جانور کے پاس حاضر رہنا افضل ہے، (جواہر الفقہ ۱/۴۵۰) جس کی ایک حکمت یہ بھی ہے کہ سب لوگوں کے دلوں میں جان ومال کی قربانی کا یہ جذبہ پیدا ہو۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کے دلوں میں یہ جذبہ پیدا فرمائے، اوران تمام اعمال کو اخلاص کے ساتھ انجام دینے اور اور تمام احکامِ شریعت کو دل وجان سے قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین یارب العلمین۔

دور اندیش اور صاحبِ نظر کون تھا؟

مدارس اسلامیہ کے موجودہ نصاب و نظام تعلیم پر ایک تحریر

مولانا محمد معاویہ سعدی استاذ شعبۂ تخصص فی الحدیث مظاہر علوم سہارنپور

ہمارے مدارسِ اسلامیہ کے نصاب ونظام پر ''عصر حاضر''، اور ''موجودہ حالات'' کے تقاضوں وغیرہ، کے عنوان سے مختلف قسم کے اعتراضات کا سلسلہ، گذشتہ ڈیڑھ صدی سے جاری ہے، جب دیوبند میں اکابر دیوبند نے عربی مدرسہ کی بنیاد رکھی تھی جب ہی کسی لکھنے والے نے لکھا تھا:

۱-''جب مسلمانوں میں کچھ تعلیم کی تحریک ہوتی ہے توان کی سعی ہمیشہ اس بات پر مقصود ہوتی ہے کہ وہی پرانا موروثی طریقہ تعلیم کا اور وہی ناقص سلسلہ نظامیہ درسِ کتب کا اختیار کیا جاتا ہے، چنانچہ اس زمانے میں اسی پرانے طریقے پر مسلمانوں نے کئی مدرسے تعلیم کے لیے جاری کیے ہیں''۔

۲-''.... دیوبند کے مدرسے کا تو کچھ پوچھنا ہی نہیں، افتخار العلماء، وفخر الکملاء، امام اعظم عہد، شیخ زماں وصاحبینِ دوراں مدرس ومہتمم ہیں، پھر سہارنپور، انبہٹہ میں مدارسِ اسلامی موجود ہیں، غرض کہ بہت سی جگہ مدارس جاری ہیں، قطع نظر اس بحث کے کہ یہ کام قوم کو مفید ہیں اور قوم کو اس کی ضرورت ہے، یا اس سے زیادہ اور چیزوں کی ضرورت ہے....''۔

۳-''مسلمانوں کے دلوں میں یہ بات سمائی ہے کہ علمی عبادت صرف علومِ دینیہ ہی کے پڑھنے پر منحصر ہے، اور اس کے سوا کسی علم کا پڑھنا یا پڑھانا، یا اُس پر روپیہ خرچ کرنا داخلِ عبادت نہیں، اور اسی لیے ثواب بھی نہیں۔ ان میں یہ مثل مشہور چلی آتی ہے کہ:

علم دیں فقہ است وتفسیر وحدیث ہر کہ خواند غیر ازیں گردد خبیث

اور لکھنے والے یہ بھی لکھ رہے تھے:

۴-''حالات کا تقاضہ، خطرات کی پے درپے بجنے والی صدائے جرس، ''قدیم مدارس'' میں کوئی بیداری، جنبش اور حرکت نہیں پیدا کرسکی، قدیم عربی مدارس کتاب وسنت پر استقامت اور صلابت کے

طریقۂ تعلیم پر اصرار کی قابلِ قدر کوشش کے ساتھ، نئے مسائل پر توجہ اور نئے سوالات کے جواب کی فکر کماحقہ نہ کرسکے، انھوں نے اقدامی پوزیشن کے بجائے دفاعی پوزیشن پر قناعت کرلی''۔

یہ بھی ارشاد ہو رہا تھا:

۵-''علوم اسلامیہ کا قدیم نصابِ تعلیم اس زمانہ میں تو برابر بدلتا اور زندگی کا ساتھ دیتا رہا جس میں انقلابات بہت دیر میں آتے تھے، اور ان کی نوعیت میں بنیادی فرق نہیں ہوتا تھا، یہ انقلابات اشخاص اور حکمراں خاندانوں کی تبدیلی کا نام تھے، لیکن اس کے باوجود واضعینِ نصاب اور عالمِ اسلام میں علمی و تعلیمی تحریک کے رہنما برابر اپنی ذہانت وحقیقت پسندی کا ثبوت دیتے رہے، اور تبدیلی واضافہ سے کام لیتے رہے، لیکن جب انیسویں صدی کا وہ زمانہ آیا جس میں حکم راں خاندانوں کا نہیں، بلکہ تہذیبوں اور اَفکار واَقدار کا انقلاب رونما ہوا، اور انقلابات کی کثرت اور شدت دونوں حد سے متجاوز ہوگئیں، تو''یہ نصاب ایک منزل پر آ کر ٹھہر گیا، اور اس نے ہر تغیر واضافہ سے انکار کردیا، مضامین، مقررہ کتابوں اور طرزِ تعلیم، ہر چیز میں اس روش پر اصرار کیا گیا جو ہندوستان میں بانیٔ درس نظامی (ملا نظام الدین لکھنوی ۱۱۶۱ھ) اور مشرقِ وسطی میں اٹھارہویں صدی کے علمائے ازہر کے زمانہ میں قائم ہوگئی تھی...''۔

حالاں کہ اِس اقتباس میں دیگر تاریخی اور واقعاتی خدشات کے ساتھ ساتھ، ایک بڑا اِشکال یہ بھی ہے کہ اگر''نصابِ تعلیم'' ایسی ہی کوئی مؤثر شے تھی، اور اُسی پر قوموں کا عروج وزوال منحصر تھا، تو پھر ماضی کے اُس مزعومہ زندہ اور متحرک نصاب کے ہوتے ہوئے، مسلمانوں کی قوت وشوکت اور حکومت وسلطنت جاتی کیوں رہی؟! اور پہلی مرتبہ جو قوت وشوکت حاصل ہوئی تھی اُس میں کون سا نصاب ونظام اثر انداز ہوا تھا؟!

۶-''اِس نصاب میں قوت مطالعہ کا زیادہ خیال رکھا گیا ہے، اور تحصیل فن کی طرف توجہ کم کی گئی ہے، یہی وجہ ہے کہ طلباء میں ضرورت سے زیادہ احتمال آفرینی پیدا ہوجاتی ہے، لیکن کسی فن میں کمال حاصل نہیں ہوتا''۔

دیوبند اور اُس کے ہم فکر دینی مدارس کے سلسلے میں یہ، اور اِس طرح کے اور بھی نہ جانے ''جمود''، ''تعطل''، ''روایت پرستی''، ''قدامت پسندی''، ''کاہلی''، ''تعصب''، ''تنگ نظری''، وغیرہ

کے کیسے کیسے طعنے اور کیسی کیسی چٹکیاں اُس وقت کی ''متمدن'' تاریخوں میں محفوظ ہیں۔

مگر راستے کے اِن شور ہنگاموں اور اِدھر اُدھر کے دیگر اور بہت سارے مشوروں، تبصروں اور اعتراضات سے بے نیاز، کچھ اللہ والے اخلاص وللٰہیت اور تواضع وفنائیت کے دوش پر سوار، صرف اور صرف ''فلاحِ آخرت کی فکر'' اور ''دین کی (اُس کی اصل شکل میں) حفاظت'' کا عنوان لے کر، مساجد، مکاتب اور قدیم طرز کے مدارس کے تنگ وتاریک حجروں میں بیٹھ کر ''قال اللہ وقال الرسول'' کی رٹ لگانے میں مشغول ہو گئے۔

حالاتِ زمانہ سے نمٹنے اور اصلاح حال کی کوششوں کے پس منظر میں اُن کے سامنے صرف اپنے عقلی منصوبے اور ریاضی اور سائنس سے لگائے ہوئے تخمینے نہیں تھے، بلکہ آخر زمانہ سے متعلق وارِد وہ بہت ساری نصوص بھی تھیں جن سے اِن حالات کے لیے شرعی رہنمائی حاصل ہوتی ہے، اُن کے پیشِ نظر آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ اِرشاد گرامی بطور خاص تھا: **بدأ الإسلام غريباً، وسيعود كما بدأ غريباً، فطوبى للغرباء** (مسلم: ۱۴۵)۔

اِعجاب كل ذي رأي برأيه (خود رائی اور خود پسندی) کے اِس دور کے لیے وہ حدیث بھی سرمۂ بصیرت بنی ہوئی تھی جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حق وباطل کے خلط کے زمانے (اور دجالی دور) کے لیے یہ ہدایت فرمارکھی تھی: **قلت: فإن لم يكن لهم جماعة ولا إمام؟ قال: فاعتزل تلك الفرق كلها، ولو أن تعض بأصل شجرة، حتى يدركك الموت وأنت على ذلك** (البخاری: ۳۶۰۶، ومسلم: ۱۸۴۷)۔

(کہ جب کوئی خلافت اور مرکزیت باقی نہ رہ جائے تو تمام جماعتوں سے الگ ہو کر، یکسو ہو جاؤ۔ اور ایک اور حدیث میں ہے کہ ایسے میں بس اپنی فکر کرو)

اُن حضرات کے لیے اپنا نصاب ونظام تشکیل دیتے ہوئے، اور اُس کا بنیادی مقصد طے کرتے ہوئے یہ حدیث بھی رہنما کی حیثیت سے موجود تھی: **يحمل هذا العلم من كل خلف عدوله ينفون عنه تحريف الغالين وتأويل الجاهلين وانتحال المبطلين** (شرح مشکل الآثار ۳۸۸۴،

ومسند البزار: ۹۴۲۳، والحديث بمجموع طرقه حسن)۔

اِس حدیث کا مضمون یہ ہے کہ: ایک تو علمِ دین کے حاملین: ثقہ اور عادل قسم کے لوگ ہوں، آزادروش اور غیر متقی نہ ہوں۔ دوسرے اُن کا خاص موضوع، اور محورِ فکر: اِحقاقِ حق اور اِبطالِ باطل کے ذریعے حفاظتِ دین ہو۔

ہمارے اکابر کے پیشِ نظر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی سیرت بھی تھی، جہاں صرف اِیمان پر استقامت، صبر وتقوی کی عادت، اخلاق کی اصلاح، عبادات پر مداومت، اور معاشرت ومعاملات کی صفائی کے اہتمام پر توجہ تھی۔

اور جیسے جیسے وقت کی سوئی آگے بڑھتی رہی، حالات اور زمانہ خود شہادت دیتے رہے کہ فیصلہ کس کا درست تھا؟ دور اندیش اور صاحبِ نظر کون تھا؟ بلند پروازی اور فراستِ ایمانی کس کے ہاں تھی؟ ہمدردِ قوم اور بہی خوانِ ملت کون سے طبقات اور افراد تھے؟ کن کے ہاں صرف بلند وبانگ نعرے اور دعوے تھے؟ اور کون لوگ قدیم طرز کے چراغوں کا دھواں پھانک پھانک کر، قوم کو موجودہ پستی اور زبوں حالی سے نکالنے کی علمی، فکری اور عملی کوششوں میں مصروف تھے؟

کون ''احتمال آفرینی'' کی صلاحیتوں کو کام میں لا کر قرآن، حدیث، فقہ اور دیگر اسلامی علوم پر دادِ تحقیق دے رہا تھا، اور اِس زمانے میں بھی امت کے لیے خالص دینی وشرعی رہنمائی کا سامان کر رہا تھا؟ کون برصغیر کے چپے چپے پر، گاؤں گاؤں میں دینی مکاتب اور اسلامی مدارس کے قیام کے لیے کوشاں اور سرگرمِ عمل تھا؟ کون دعوت کے میدان میں مشرق ومغرب کے فاصلے سمیٹ رہا تھا، اور بر وبحر کے فرق وامتیاز کو زیروزبر کر رہا تھا؟ کون تھا جس کے ردّ رسوم وبدعات کے تجدیدی کارناموں، اور اصلاحی کوششوں کو وقت کا مؤرخ سنہری حروف سے لکھنے پر مجبور تھا؟ کون معرکۂ جہاد میں شاملی کے میدان سے لے کر، افغانستان کے کہساروں تک کو گرما رہا تھا؟ کون ایوانِ سیاست میں پوری قوم کی نمائندگی کر رہا تھا؟ ۱۹۴۷ء کے خوں چکاں حالات میں کون تھا جو مسلمانوں کو تسلی دے

رہا تھا، اُن کی حوصلہ افزائی کررہا تھا؟ .....وغیرہ وغیرہ۔

وہ کون سے علمی وعملی ’’آستانے‘‘ تھے جہاں بڑے بڑے دستار اور عمامے زمیں ریز ہورہے تھے؟ رشد وہدایت کی وہ کون سی ’’خانقاہیں‘‘ تھیں جہاں ’’قدیم وجدید‘‘ سب آکر باہم آمیز ہورہے تھے؟ وہ کون سے تحقیقی اور فقہی مراکز تھے جہاں جدید سے جدید مسائل، اور اسلام پر پڑنے والے نئے سے نئے شبہات واعتراضات حل کیے جارہے تھے؟ **فھل من مبارز؟**

غور کرنے کی بات ہے کہ جن افراد اور طبقات نے دیوبند وسہارنپور کے نصاب ونظام پر ہمیشہ جارحانہ تنقیدیں کیں، اور نشانۂ ملامت بنایا، اُسی صف کا ایک مشہور مؤرخ یہ شہادت دینے پر کیوں مجبور ہوا؟:

’’دارالعلوم دیوبند کی ابتداء نہایت معمولی تھی، لیکن اللہ کے کرم، اور بانیوں کے حسنِ نیت سے جلد ہی اُس نے ترقی شروع کردی، مولانا محمد قاسم نے شروع ہی سے اسے اپنی سرپرستی میں لیا، اس کے علاوہ مولنا محمد یعقوب کو اس مدرسے کی توسیع میں بڑا دخل ہے ...، دیوبند کا قیام جنگ آزادی (۱۸۵۷ء) کے بیس پچیس سال بعد ہوا (بلکہ صرف دس سال بعد) لیکن جلد ہی اُس نے قوم کے تعلیمی نظام میں معزز جگہ حاصل کرلی، اور آج قدیم طرز کی اسلامی درسگاہوں میں سب سے اہم گنا جاتا ہے، اس کی ترقی کی ایک وجہ یہ ہے کہ اس کا بیج اچھا تھا، اور اچھے ہاتھوں سے بویا گیا تھا...، گذشتہ پچاس سال کے حالات دیکھتے ہوئے یہ کہنا قطعاً مبالغہ نہیں کہ دیوبند نے قوم قوم کی بڑی مذہبی اور علمی خدمت کی ہے ... دیوبند کا پیمانہ بہت وسیع ہے، وہاں سے ہزاروں علماء اور طلبہ فارغ التحصیل ہوکر نکلے ہیں، انھوں نے ملک ملک کے کونے کونے میں اسلامی علوم کے چراغ روشن کیے، مذہب کی اشاعت کی، بدعتوں اور مضر اخلاق خرابیوں کی اصلاح کی...، دارالعلوم دیوبند نے بغیر کسی شور وغل کے، تھوڑی ہی مدت میں جو اعتبار ومرتبہ حاصل کرلیا ہے، وہ اس کے منتظمین کی قابلیت اور نیک نیتی کا واضح ثبوت ہے، اور انھیں اس پر فخر کا جائز حق ہے...‘‘۔ (ملتقطاً از: موج کوثر، شیخ محمد اکرام علیگ)۔

ایک اور معروف فکری ترجمان کس چیز سے مجبور ہوکر یہ اعتراف فرماتے ہیں؟:

''پھر یہ بھی ایک حقیقت کہ ملت کی قیادت اور دینی رہبری کے لیے ''تحریکِ دیوبند'' نے جیسی قدآور، عظیم اور مقبول خاص وعام شخصیات پیش کیں ''تحریک..... ''ایسی شخصیات نہیں پیش کرسکی'' (ہمارا نصابِ تعلیم ص ۱۸۸)۔

غبارِ رہ گذر ہیں، کیمیا پر ناز تھا جن کو
جبینیں خاک پر رکھتے تھے جو، اکسیر گر نکلے

مگر ہماری تاریخ کا یہی وہ مقامِ عبرت بھی ہے کہ جب تک دیوبند وسہارنپور کے یہ بوریہ نشین، قدیم طرز کے پڑھے ہوئے یہ قدامت پسند مولوی، ہر طرح کے اعتراضات اور ملامتوں سے یکسو، صرف اور صرف اپنے موروثی نصاب ونظام سے وابستہ رہے، اُس وقت تک ملکی ہی نہیں، بلکہ عالمی منظر نامے پر بھی، پوری ملت اسلامیہ کی امیدوں کا واحد مرکز، تن تنہا یہی حضرات اور یہی افراد رہے، اور جیسے جیسے ''حالاتِ زمانہ'' کی رعایت اور ''عصری تقاضوں'' کی مروت میں بزرگوں کے وضع کردہ اِس ''مبارک نصاب ونظام'' سے چھیڑ چھاڑ کی گئی، ہماری وہ امتیازی شؤون جاتی رہیں جن کی بنا پر قیادت وسیادت کا مرتبۂ بلند حاصل تھا، اور ہم بھی آہستہ آہستہ اسی بھیڑ میں گم ہوتے چلے گئے۔

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ اپنے ایک مکتوب میں ارشاد فرماتے ہیں:

''پیارے تقی! کیا کیا لکھواؤں؟ ہمارے اکابر جنھوں نے دار العلوم ومظاہر علوم کی بنیاد رکھی تھی، اُن کا اِخلاص اور مکارِم اخلاق اور محاسن افعال اور شریعت وطریقت کی جامعیت عجیب چیزیں تھیں، یہ حضرات ہر علم سے واقف، معقولات اور منقولات کے سمندر کے شناور، اور ساتھ ہی بے نفسی، تواضع اور فنائیت کے مجسمے تھے، سب کچھ ہوتے ہوئے، اپنے نزدیک کچھ بھی نہ تھے۔

اہل سنت والجماعت کے مسلک سے یکسر ہٹنا اُن کو گوارا نہ تھا، فقہِ حنفی کے مضبوطی سے مقلد تھے، اور عدم تقلید کو گمراہی کا پیش خیمہ سمجھتے تھے، تمام ائمۂ حدیث وفقہ کا پورا پورا احترام کرتے تھے، ان کے دل وزبان ہمیشہ ذکر اللہ سے معمور رہتے تھے، ایک وہ زمانہ تھا کہ دونوں مدرسوں (دار العلوم، مظاہر علوم) میں دربان سے لے کر صدر مدرس ومہتمم تک ہر

شخص صاحب نسبت ہوتا تھا''۔

اس کے بعد دور بدل جانے کی شکایت اور حسرت کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''آج میں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں کہ وہ امتیازی شؤون مٹ رہی ہیں جو اپنے اکابر کا طرۂ امتیاز تھیں، اکابر ایک ایک کر کے رخصت ہو چکے ہیں، اور اصاغر ان کی جگہ تو لے رہے ہیں لیکن علوم و اعمال اور اذکار میں ان کے قائم مقام نہیں بن رہے ہیں، صرف رسمیہ الفاظ اور شاعرانہ قسم کے مضامین کی بہتات رہ گئی ہے'' (اقتباس مکتوب، از: مدینہ منورہ ۹ رشعبان ۱۳۹۸ھ، البلاغ، خصوصی اشاعت کراچی، ۱/۲۶)

اِس لیے کہ انگریزی استعمار کی طرف سے مسلط کی گئی جنگ در اصل تہذیبوں اور اقدار کی جنگ تھی، قدیم وجدید اور مشرق ومغرب کی کشمکش تھی، اِیمان و مادیت کا معرکہ اور دین ودنیا کی آویزش تھی، مغرب کی اِس علمی، فکری اور تہذیبی یلغار میں ہتھیار اور ٹیکنالوجی کا اِستعمال کم، اور نفسیات واعصاب پر قابو رکھنا زیادہ اہم تھا، اپنی قدیم تہذیب، پرانی قدروں پر صبر واستقامت ہی اِس جنگ میں کلید کامیابی اور نوید فتح تھی۔

سو جن طبقات وافراد نے یہ صبر واستقامت دکھائی، اُن کو لوگوں کے قلوب پر حکومتیں عطا کی گئیں: وجعلناھم أئمة یھدون بأمرنا لما صبروا، وکانوا بآیاتنا یوقنون (الٓمٓ السجدة: ۲۴)

(اور جب اُنھوں نے صبر واستقامت سے کام لیا تو ہم نے اُن میں سے کچھ لوگوں کو امام ومقتدا بنادیا، جو ہمارے حکم کے مطابق لوگوں کی رہنمائی کرتے ہیں، اور وہ ہماری آیتوں پر یقین بھی رکھتے تھے)

اور جو لوگ ''مزعومہ عصری تقاضوں'' سے متاثر ہوئے، تو پھر وہ تہذیبِ نو کے تند وتیز حملوں سے خود کو پوری طرح سے محفوظ نہ رکھ سکے (الا ماشاء اللہ)، ''تاریخی حقائق'' اِس دعوے پر شاہد عدل ہیں۔ (باقی آئندہ ان شاء اللہ)

میاں بیوی کی ذمہ داریاں

ڈاکٹر محمد نجیب سنبھلی قاسمی، ریاض
(najeebqasmi@yahoo.com)

میاں بیوی کے باہمی تعلقات میں اللہ اوراس کے رسول نے دونوں کوان کے فرائض یعنی ذمہ داریاں بتادیں، شوہر کو بتادیا کہ تمہارے فرائض اور ذمہ داریاں کیا ہیں اور بیوی کو بتادیا کہ تمہاری ذمہ داریاں کیا ہیں، ہر ایک اپنے فرائض اور ذمہ داریوں کو ادا کرنے کی کوشش کرے، زندگی کی گاڑی اسی طرح چلتی ہے، پھر زندگی بہت عمدہ خوشگوار ہوجاتی ہے۔

شرعی نکاح کے بعد جب مرد شوہر اور عورت بیوی بن جاتی ہے تو ایک دوسرے کا جسمانی اور روحانی طور پر لطف اندوز ہونا جائز ہوجاتا ہے اور ایک دوسرے کے ذمہ جسمانی اور روحانی حقوق واجب ہوجاتے ہیں، شرعی احکام کی پابندی کرتے ہوئے شوہر اور بیوی کا جسمانی اور روحانی طور پر لطف اندوز ہونا نیز ایک دوسرے کے حقوق کی ادائیگی کرنا یہ سب شریعت اسلامیہ کا جزء ہیں اور ان پر بھی اجر ملے گا، ان شاء اللہ۔

انسان صرف انفرادی زندگی نہیں رکھتا ہے بلکہ وہ فطرتاً معاشرتی مزاج رکھنے والی مخلوق ہے، اس کا وجود خاندان کے ایک رکن اور معاشرہ کے ایک فرد کی حیثیت سے ہی پایا جاتا ہے، معاشرہ اور خاندان کی تشکیل میں بنیادی اکائی میاں بیوی ہیں جن کے ایک دوسرے پر کچھ حقوق ہیں:

۱— شوہر کی ذمہ داریاں یعنی بیوی کے حقوق شوہر پر۔

۲— بیوی کی ذمہ داریاں یعنی شوہر کے حقوق بیوی پر۔

۳— دونوں کی مشترکہ ذمہ داریاں یعنی مشترکہ حقوق۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا: وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ (سورۃ البقرہ

۲۲۸)اور(مردوں پر)عورتوں کا حق ہے جیسا کہ(مردوں کا)عورتوں پر حق ہے،معروف طریقہ پر۔

یہ آیت بتا رہی ہے کہ بیوی کو محض نوکرانی اور خادمہ مت سمجھنا بلکہ یہ یاد رکھنا کہ اس کے بھی کچھ حقوق ہیں جن کی پاس داری شریعت میں ضروری ہے، ان حقوق میں جہاں نان ونفقہ اور رہائش کا انتظام شامل ہے وہیں اس کی دل داری اور راحت رسانی کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے، اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سب سے اچھا آدمی وہ ہے جو اپنے گھر والوں (یعنی بیوی بچوں) کی نظر میں اچھا ہو، اور ظاہر ہے کہ ان کی نظر میں اچھا وہی ہوگا جو اُن کے حقوق کی ادائیگی کرنے والا ہو۔

دوسری طرف اِس آیت میں بیوی کو بھی آگاہ کیا کہ اُس پر بھی حقوق کی ادائیگی لازم ہے، کوئی بیوی اُس وقت تک پسندیدہ نہیں ہوسکتی جب تک کہ وہ اپنے شوہر کے حقوق کو ادا کرکے اُس کو خوش نہ کرے، چنانچہ احادیث میں ایسی عورتوں کی تعریف فرمائی گئی ہے جو اپنے شوہر کی تابع دار اور خدمت گزار ہوں اور ان سے بہت زیادہ محبت کرنے والی ہوں اور ایسی عورتوں کی مذمت کی گئی ہے جو شوہروں کی نافرمانی کرنے والی ہوں۔

شوہر کی چند اہم ذمہ داریاں حسب ذیل ہیں:

۱۔**مکمل مہر کی ادائیگی:** اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے: وَآتُوا النِّسَاءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً (سورۃ النساء ۴) عورتوں کو ان کا مہر راضی وخوشی سے ادا کردو۔

نکاح کے وقت مہر کی تعیین اور شب زفاف سے قبل اس کی ادائیگی ہونی چاہئے، اگرچہ طرفین کے اتفاق سے مہر کی ادائیگی کو مؤخر بھی کرسکتے ہیں۔

مہر صرف عورت کا حق ہے، لہٰذا شوہر یا اس کے والدین یا بھائی بہن کے لئے مہر کی رقم میں سے کچھ بھی لینا جائز نہیں ہے۔

۲۔**بیوی کے تمام اخراجات:** اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے: وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَه رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ (سورۃ البقرہ ۲۳۳) بچوں کے باپ (یعنی شوہر) پر عورتوں

(یعنی بیوی) کا کھانا اور کپڑا لازم ہے دستور کے مطابق۔

۳- بیوی کے لئے رہائش کا انتظام: اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے: اَسۡكِنُوۡهُنَّ مِنۡ حَيۡثُ سَكَنۡتُمۡ مِّنۡ وُّجۡدِكُمۡ (سورۃ الطلاق ۶) تم اپنی طاقت کے مطابق جہاں تم رہتے ہو وہاں اُن عورتوں کو رکھو۔

اس آیت میں مطلقہ عورتوں کا حکم بیان کیا جارہا ہے کہ عدت کے دوران ان کی رہائش کا انتظام بھی شوہر کے ذمہ ہے، جب شریعت نے مطلقہ عورتوں کی رہائش کا انتظام شوہر کے ذمہ رکھا ہے تو حسب استطاعت بیوی کی مناسب رہائش کی ذمہ داری بدرجہ اولیٰ شوہر کے ذمہ ہوگی۔

۴- بیوی کے ساتھ حسن معاشرت: شوہر کو چاہئے کہ وہ بیوی کے ساتھ اچھا سلوک کرے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَعَاشِرُوۡهُنَّ بِالۡمَعۡرُوۡفِ فَاِنۡ كَرِهۡتُمُوۡهُنَّ فَعَسٰۤى اَنۡ تَكۡرَهُوۡا شَيۡـئًا وَّيَجۡعَلَ اللّٰهُ فِيۡهِ خَيۡرًا كَثِيۡرًا (سورۃ النساء ۱۹) ان کے ساتھ اچھے طریقے سے پیش آؤ یعنی عورتوں کے ساتھ گفتگو اور معاملات میں حسن اخلاق کے ساتھ معاملہ رکھو گو تم انہیں ناپسند کرو لیکن بہت ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو برا جانو اور اللہ تعالیٰ اس میں بہت ہی بھلائی کر دے۔

شوہر کی چوتھی ذمہ داری "بیوی کے ساتھ حسن معاشرت" بہت زیادہ اہمیت رکھتی ہے، اس کی ادائیگی کے مختلف طریقے حسب ذیل ہیں:

❁ **بیوی اور بچوں پر خرچ:** حسب استطاعت بیوی اور بچوں پر خرچہ کرنے میں فراخدلی سے کام لینا چاہئے جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اِذَا اَنۡفَقَ الرَّجُلُ عَلٰى اَهۡلِهٖ نَفَقَةً يَحۡتَسِبُهَا فَهِيَ صَدَقَةٌ (بخاری) اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ سے اجر کی امید کے ساتھ اپنے گھر (فیض احمد فیض) والوں پر خرچ کرتا ہے تو وہ صدقہ ہوگا یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ اس پر اجر عطا فرمائے گا۔

❁ **بیوی سے مشورہ:** اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ گھر کے نظام کو چلانے کی ذمہ داری مرد کی ہے جیسا کہ قرآن کریم میں مرد کے لئے قوَّام کا لفظ استعمال کیا گیا ہے یعنی مرد عورتوں پر نگہبان اور منتظم ہیں، لیکن حسن معاشرت کے طور پر عورت سے بھی گھر کے نظام کو چلانے کے

لئے مشورہ لینا چاہئے، جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: آمِرُوا النِّسَاءَ فِيْ بَنَاتِهِنَّ (ابوداؤد، مسند احمد) یعنی بیٹیوں کے رشتے کے لئے اپنی بیوی سے مشورہ کیا کرو۔

بیوی کی بعض کمزوریوں سے چشم پوشی: خاص طور پر جب کہ دیگر خوبیاں ومحاسن ان کے اندر موجود ہوں، یاد رکھیں کہ اللہ تعالیٰ نے عموماً ہر عورت میں کچھ نہ کچھ خوبیاں ضرور رکھی ہیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اگر عورت کی کوئی بات یا عمل ناپسند آئے تو مرد عورت پر غصہ نہ کرے کیونکہ اس کے اندر دوسری خوبیاں موجود ہیں جو تمہیں بھی اچھی لگتی ہیں۔ (مسلم)

بیوی کے لئے زیبائش اختیار کرنا: شوہر، بیوی کے سامنے اپنی ذات کو قابل توجہ یعنی اسمارٹ بنا کر رکھے کیونکہ تم جس طرح اپنی بیوی کو خوبصورت دیکھنا چاہتے ہو وہ بھی تمہیں اچھا دیکھنا چاہتی ہے، صحابی رسول ومفسر قرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اپنی بیوی کے لئے ویسا ہی سجتا ہوں جیسا وہ میرے لئے زیب وزینت اختیار کرتی ہے۔ (تفسیر قرطبی)

گھر کے کام کاج میں عورت کی مدد: خاص کر جب وہ بیمار ہو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم گھر کے تمام کام کرلیا کرتے تھے، جھاڑو بھی خود لگالیا کرتے تھے، کپڑوں میں پیوند بھی خود لگالیا کرتے تھے اور اپنے جوتوں کی مرمت بھی خود کرلیا کرتے تھے۔ (بخاری)

بیوی کی ذمہ داریاں یعنی شوہر کے حقوق بیوی پر:

شوہر کی اطاعت: اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا: اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَا اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ (سورۃ النساء ۳۴) مرد عورتوں پر حاکم ہیں اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے اور اس وجہ سے کہ مردوں نے اپنے مال خرچ کئے ہیں، جو عورتیں نیک ہیں وہ اپنے شوہروں کا کہنا مانتی ہیں اور اللہ کے حکم کے موافق نیک عورتیں شوہر کی عدم موجودگی میں اپنے نفس اور شوہر کے مال کی حفاظت کرتی ہیں، یعنی اپنے نفس اور شوہر کے مال میں کسی قسم کی خیانت نہیں کرتی ہیں۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مرد کو عورت پر فوقیت وفضیلت دینے کی دو وجہیں ذکر فرمائی ہیں۔
۱–مرد و عورت اور ساری کائنات کو پیدا کرنے والے نے مرد کو عورت پر فضیلت دی ہے۔
۲–مرد اپنے اور بیوی و بچوں کے تمام اخراجات برداشت کرتا ہے۔

اسی طرح دوسری آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا: {وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ} (سورۃ البقرۃ ۲۲۸) مردوں کو عورتوں پر فضیلت حاصل ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اِذَا صَلَّتِ الْمَرْأَةُ خَمْسَهَا وَصَامَتْ شَهْرَهَا وَحَفِظَتْ فَرْجَهَا وَاَطَاعَتْ بَعْلَهَا دَخَلَتِ الْجَنَّةَ (مسند احمد) اگر عورت نے (خاص طور پر) پانچ نمازوں کی پابندی کی، ماہ رمضان کے روزے اہتمام سے رکھے، اپنی شرمگاہ کی حفاظت کی اور اپنے شوہر کی اطاعت کی تو گویا وہ جنت میں داخل ہوگئی۔

۲–شوہر کے مال وآبرو کی حفاظت: اللہ تبارک وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا فَالصَّالِحَاتُ حَافِظَاتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللهُ (سورۃ النساء ۳۴) جو عورتیں نیک ہیں وہ اپنے شوہروں کی تابعداری کرتی ہیں اور اللہ کے حکم کے موافق نیک عورتیں شوہر کی عدم موجودگی میں اپنے نفس اور شوہر کے مال کی حفاظت کرتی ہیں، یعنی اپنے نفس اور شوہر کے مال میں کسی قسم کی خیانت نہیں کرتی ہیں۔

شوہر کے مال کی حفاظت میں یہ ہے کہ عورت شوہر کی اجازت کے بغیر شوہر کے مال میں سے کچھ نہ لے، اور اس کی اجازت کے بغیر کسی کو نہ دے، ہاں اگر شوہر واقعی بیوی کے اخراجات میں کمی کرتا ہے تو بیوی اپنے اور اولاد کے خرچے کو پورا کرنے کے لئے شوہر کی اجازت کے بغیر مال لے سکتی ہے، جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہند بنت عتبہ سے کہا تھا جب انہوں نے اپنے شوہر ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے زیادہ بخیل ہونے کی شکایت کی تھی: خُذِيْ مَا يَكْفِيْكِ وَوَلَدَكِ بِالْمَعْرُوْفِ اتنا مال لے لیا کرو جو تمہارے اور تمہاری اولاد کے متوسط خرچہ کے لئے کافی ہو۔ (بخاری مسلم)

شوہر کی آبرو کی حفاظت میں یہ ہے کہ عورت شوہر کی اجازت کے بغیر کسی کو گھر میں داخل نہ ہونے دے، کسی نامحرم سے بلاضرورت بات نہ کرے، شوہر کی اجازت کے بغیر گھر سے باہر نہ نکلے۔

۳-گھر کے اندرونی نظام کو چلانا اور بچوں کی تربیت کرنا : یہ عورتوں کی وہ ذمہ داری ہے جو ان کی خلقت کے مقاصد میں سے ایک اہم مقصد ہے، بلکہ یہ وہ بنیادی ذمہ داری ہے جسکی ادائیگی عورتوں پر لازم ہے، عورتوں کو اس ذمہ داری کے انجام دینے میں کوئی کمی نہیں چھوڑنی چاہئے کیونکہ اسی ذمہ داری کو صحیح طریقہ پر انجام دینے سے فیملی میں آرام وسکون پیدا ہوگا نیز اولاد دونوں جہاں کی کامیابی وکامرانی سے سرفراز ہوگی۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ جب صحابۂ کرام اپنی بیٹی یا بہن کو رخصت کرتے تھے تو اس کو شوہر کی خدمت اور بچوں کی بہترین تربیت کی خصوصی تاکید کرتے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: وَالْمَرْأَةُ رَاعِيَةٌ فِي بَيْتِ زَوْجِهَا وَمَسْؤُولَةٌ عَنْ رَعِيَّتِهَا (مسلم) عورت اپنے شوہر کے گھر میں نگہبان اور ذمہ دار ہے اور اس سے اس کے بچوں کی تربیت وغیرہ کے متعلق سوال کیا جائے گا۔

۴- بیوی، شوہر کی اجازت کے بغیر نفلی روزہ نہ رکھے۔ حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کسی عورت کے لئے حلال نہیں کہ وہ اپنے شوہر کی موجودگی میں روزے رکھے مگر شوہر کی اجازت سے یعنی کسی عورت کے لئے نفلی روزہ رکھنا شوہر کی اجازت کے بغیر حلال نہیں۔

۵-عورت کے دل میں شوہر کے پیسے کا درد ہو : عورت کے دل میں شوہر کے پیسے کا درد ہونا چاہئے تا کہ شوہر کا پیسہ فضول خرچ نہ ہو، گھر کو نوکرانیوں پر نہیں چھوڑنا چاہئے کہ وہ جس طرح چاہیں کرتی رہیں بلکہ عورت کی ذمہ داری ہے کہ وہ گھر کے داخلی تمام امور پر نگاہ رکھے۔

اصل دین داری معاملات کی صفائی ہے

نثار احمد حصیر قاسمی
صدر شعبۂ عربی زبان وادب دار العلوم سبیل السلام، حیدر آباد

ہم جانتے ہیں کہ اس کائنات رنگ وبو میں اللہ نے انسانوں اور جنوں کو اس لئے بنایا اور پیدا کر کے اسے آباد کیا ہے کہ ہم اللہ کی عبادت کریں، اللہ تعالیٰ کا واضح ارشاد ہے: میں نے جنات اور انسانوں کو محض اسی لئے پیدا کیا ہے کہ وہ صرف میری عبادت کریں (الذریت ۵۶)

عبادت نام ہے ان اقوال وافعال کا، ظاہری ہوں یا باطنی، جس سے اللہ راضی ہو اور اسے پسند کرتا ہو، اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر ایسا قول وعمل جو اللہ کی رضا وخوشنودی کے لئے انجام دیا جائے وہ عبادت ہے، عبادت دو طرح کی ہیں، ایک تو وہ ہے جسے عبادت شعائر کا نام دیا جاتا ہے، اور دوسری وہ ہے جسے عبادت معاملات سے جانا جاتا ہے، عبادت شعائر میں نماز، روزہ، زکوۃ اور حج ہے، اس کی اہمیت اپنی جگہ مسلم ہے، اسے وہی انجام دیتے ہیں جن کے قلوب خشیت الٰہی اور تقوی و پرہیزگاری سے لبریز ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یہ سن لیا، اب اور سنو! اللہ کی نشانیوں وشعائر کی جو عزت واحترام کرے اس کے دل کی پرہیزگاری کی وجہ سے یہ ہے (الحج ۳۲)

شعائر اللہ اسلام کے نمایاں اور امتیازی احکام کو کہا جاتا ہے جن سے ایک مسلمان کا امتیاز اور تشخص قائم ہوتا ہے، اور دوسرے اہل مذہب سے الگ پہچان بنتی ہے، شعائر اللہ کی تعظیم کو دل کا تقوی کہا گیا ہے، یعنی یہ دل کے ان افعال میں سے ہے جن کی بنیاد تقوی ہے۔

عبادات شعائر کے اوقات محدود ہیں، نماز دن رات میں پانچ بار ہے جس میں زیادہ سے زیادہ ڈیڑھ گھنٹہ کا وقت صرف ہوتا ہے، زکاۃ سال میں صرف ایک بار فرض ہے اور وہ بھی صاحب نصاب پر، روزہ سال میں ایک ماہ ہے، اور حج زندگی میں ایک بار اور وہ بھی جو

مال واسباب، صحت وتوانائی، اورامن وامان کے ساتھ مکہ تک پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہو، تو یہ عبادتیں مخصوص افرادواوقات کے لئے ہیں۔

عبادت کی دوسری قسم جو پہلے سے زیادہ اہم اور پرخطر ہے، وہ ہے عبادت معاملات، یہ نہایت مشکل، اہم اور حساس عبادت ہے جس کو اللہ کے نبی نے نماز روزے سے زیادہ اہم قرار دیا ہے۔

آج ہماری نگاہوں کے سامنے ایسے لوگ ہیں بلکہ بہتوں کے ساتھ تجربہ ہوا ہے کہ ان کے ہاتھ میں ہروقت تسبیح ہوتی، ان کی زبان پر تسبیحات جاری رہتی ہیں، پیشانی پر سجدے کے نشان پڑے ہوتے ہیں، وہ تہجد کے پابند ہوتے ہیں، خوب نفلی نمازیں پڑھتے ہیں، صدقہ وخیرات اور عمرہ پر عمرہ کرتے ہیں، مگر معاملات میں نہایت گندے ہوتے ہیں، ان کی ظاہری شکل وصورت کو دیکھ کر، ان کے جبہ ودستار اورداڑھی کی درازی سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ جیسے یہ سلف صالحین اور صحابہ کرام کے نمونہ اور بچے کھچے پاکیزہ نفوس میں سے ہوں مگر جب ان سے کوئی معاملہ ہوتا ہے تو اندازہ ہوتا ہے کہ اس جبہ ودستار میں سب سے بڑا شیطان لعین چھپا ہوا ہے، مالی معاملات میں آج ان کی بدنامی اس حدتک بڑھ گئی ہے کہ کسی کاروبار یا تجارتی مراکز میں اگر کوئی ڈاڑھی ٹوپی والا ہوتو لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ بڑا دھوکا باز ہوگا، نہ معلوم یہ کس طرح ہمیں ٹھگ لے گا، اورمیں اس کے ہاتھ ذبح ہوجاؤں گا، یہ تصور ہم نے خودلوگوں میں اپنی بدمعاملگی سے قائم کیا ہے، جسے دھونے کی ضرورت ہے۔

صحابہ کرام اور سلف صالحین سمجھتے تھے کہ اصل دینداری کیا ہے، انہوں نے اس کا عملی نمونہ پیش کیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک شخص مقدمہ لے کر آیا، آپ نے ان سے گواہی طلب کی، وہ گواہ لے آیا، حضرت عمر نے اس گواہ سے پوچھا کہ تم اس کی دینداری کس طرح جانتے ہو؟ کیا تم نے اس کے ساتھ سفر کیا ہے؟ اس نے کہا نہیں، تو پوچھا کیا اس کے پڑوس میں رہے ہو؟ اس نے کہا نہیں، پھر تیسرا سوال کیا، کیا تم نے اس کے ساتھ مالی معاملہ کیا ہے؟ تو اس نے کہا

نہیں، تو حضرت عمر نے فرمایا شاید تم نے اسے مسجد میں نماز پڑھتے ہوئے، رکوع وسجود کرتے ہوئے دیکھا ہوگا، پھر اسے اپنے پاس سے اٹھ کر چلے جانے کو کہا، حضرت عمرؓ نے واضح کر دیا کہ دینداری نماز روزے اور اس طرح کی عبادت میں نہیں بلکہ اصل دینداری معاملات میں ہے، اس لئے انہوں نے دینداری کو پہچاننے کا معیار بتایا کہ دیکھو اگر کوئی معاملات میں صاف ستھرا اور سچا ہے تو وہ دیندار ہے اور اگر اس میں گندا، فریبی، دھوکہ باز اور مکار ہے تو وہ دیندار نہیں خواہ کتنا ہی بڑا نمازی اور ضربیں لگانے والا اور تہجد پڑھنے والا کیوں نہ ہو۔

آج ہمارے درمیان دینداروں کی صورت والوں کی بھرمار ہے، مگر جب سابقہ پڑ جائے تو پتہ چلتا ہے کہ یہ تو بڑا دھوکہ باز، فراڈی، جھوٹا مکار اور دغاباز ہے، جب کہ بدترین بد دینی مالی معاملات کی گندگی ہے، اور بدترین حیلہ گری و چالبازی یہ ہے کہ دین کے نام پر دوسروں کا مال ہڑپ لیا جائے، دھوکہ دے کر، جھوٹی تحریروں وتقریروں کے ذریعہ خون پسینے کی حلال کمائی کو دین کے نام پر یہ ہم سے حاصل کر لیتے اور عیش وعشرت کی زندگی بسر کرتے ہیں، اجرت پر کسی سے کام کرانے کے بعد اس کی اجرت ادا نہیں کرتے یا ۲۰ کی جگہ ۱۰ دیکر دفع کر دیتے اور سمجھتے ہیں کہ میں نے بڑی چالاکی وہوشیاری کی ہے، اسے اچھی طرح بے وقوف بنا دیا ہے، یہ انہوں نے عقلمندی نہیں بلکہ بے وقوفی کی ہے، یہ ان کی چالاکی نہیں کم عقلی ہے، اس طرح انہوں نے اپنے لئے آگ کا گڑھا کھودا ہے، حدیث کے اندر آیا ہے کہ سب سے پہلے جو چیز اس دنیا میں ضائع کی جائے گی وہ امانت ہے جب کہ سب کے اخیر میں نماز ضائع کی جائے گی۔

آج مسلمانوں کی حالت عجیب وغریب ہے، وہ عبادات میں مسلمان ہیں، مگر معاملات میں دین سے، قرآنی نصوص سے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح احادیث اور تعلیمات سے کوسوں دور ہیں، جب کہ ہونا یہ چاہئے تھا کہ وہ نماز وروزہ اور مساجد ومحراب سے زیادہ معاملات کی درستی وصفائی پر توجہ دیتے۔

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کے

درمیان خطبہ دیا، اوراپنے خطبہ میں فرمایا، کہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنا اور اللہ پر ایمان ویقین رکھنا سب سے بہتر عمل ہے، تو ایک شخص کھڑے ہوئے اورعرض کیا، اے اللہ کے رسول آپ کی کیا رائے ہے کہ اگر میں اللہ کی راہ میں قتل کردیا جاؤں تو ہماری یہ شہادت ہماری خطاؤں کے لئے کفارہ بن جائے گی؟ تو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : ہاں، بشرطیکہ تم اللہ کے راستہ میں اس طرح قتل کئے جاؤ کہ تم صبر کرنے والے، ثواب کی امید رکھنے والے، آگے بڑھنے والے اور پیٹھ دکھانے والے نہ ہو، پھر آپ نے فرمایا، ہاں دوبارہ بولو تم نے کیا سوال کیا؟ اس نے سوال دہرایا تو آپ نے وہی جواب دیا البتہ اس میں یہ اضافہ فرمایا سوائے قرض کے، کہ جبریل ابھی میرے پاس آئے تھے اور انہوں نے قرض کا استثناء کرنے کے لئے مجھے کہا، (مسلم) یعنی اللہ تعالی شہادت کی وجہ سے سارے گناہ تو معاف کردیں گے مگر اس پر جو بندوں کے حقوق ہوں گے اسے معاف نہیں کریں گے۔ اس کا اندازہ ایک دوسری حدیث سے بھی ہوتا ہے، اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار صحابہ سے دریافت فرمایا: کیا تمہیں پتہ ہے کہ مفلس ونادار کون ہے؟ صحابہ نے جواب دیا کہ ہم میں مفلس وہ ہے جس کے پاس نہ درہم ودینار ہو اور نہ ہی ساز وسامان تو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ مفلس وہ شخص ہے، جو قیامت کے روز نماز روزہ اور زکوۃ وغیرہ لے کر آئے گا جب کہ اس نے اسے گالی دی، اس پر بہتان لگایا، اس کا مال ہڑپ لیا، اس کا خون بہایا، اسے زدوکوب کیا، تو اس کے حسنات اور نیکیوں میں سے کچھ اسے دیدیا جائے گا اور کچھ اسے، اور اگر اس کی نیکیاں اس پر عائد حقوق کی ادائیگی سے قبل ہی ختم ہوجائیں گی تو ان اصحاب حقوق کے گناہ لے کر اس پر ڈال دیا جائے گا، پھر اسے جہنم میں ڈال دیا جائے گا، (صحیح مسلم وسنن ترمذی عن ابی ہریرۃ)

آج کا مسلمان جسے ہم دیندار طبقہ کہتے ہیں وہ نماز، روزہ، زکوۃ اور حج کا تو پابند نظر آتا ہے، نوافل پر نوافل ادا کرتا ہے، چہرے مہرے اور ظاہری شکل وصورت سے نمونۂ اسلاف نظر آتا ہے، مگر معاملات میں نہایت گندا ہوتا ہے، بیعت وارشاد کا سلسلہ بھی رہتا

اور وعظ ونصیحت کی محفلیں بھی سجتی ہیں ان کے دعوتی واصلاحی دورے بھی ہوتے ہیں اور دینداری وتقوی وپرہیزگاری کا لباس بھی ہوتا ہے، مگر جب ان کے ساتھ معاملہ ہوتا ہے تو اندازہ ہوتا ہے کہ اس سے بہتر تو ایک غیر مسلم ہے جو اپنے قول وفعل میں سچا اور امانت دار ہو، یہ ایمان کی کمزوری کی دلیل ہے اور اس کا مطلب ہے کہ ان کے بیعت وارشاد کا سلسلہ محض ڈھونگ اور حب جاہ، حب مال، جب شہرت کے لئے ہے، دینداری کی پہچان حسن معاملہ سے ہے اگر کوئی معاملات میں درست ہے تو وہ دیندار ہے، اور اگر کوئی ہزار نمازیں پڑھنے والا اور راتوں میں ضربیں لگانے والا ہو اور معاملات میں گندا ہو اور اس کا دوسروں کے ساتھ سلوک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے خلاف ہو تو وہ بددین ہے۔

ہم اگر اپنی شبیہ اپنوں اور غیروں میں بہتر بنانا چاہتے اور دینداری کا ثبوت دینا چاہتے ہیں تو ہمیں اپنے معاملات کو درست کرنا چاہئے، نماز روزے سے زیادہ بندوں کے حقوق کی پاسداری پر توجہ دینی چاہئے، صحابہ نے دینداری کا مفہوم سمجھا تھا، انہوں نے اپنے اخلاق کو بہتر بنایا، اپنے معاملات درست کر لئے اور دوست ہو یا دشمن نفع ہو یا نقصان مسلم ہو یا کافر ہر ایک کے ساتھ ان کا معاملہ صداقت وراست بازی پر مبنی ہوتا تھا اسی لئے لوگ محض ان کے عمل اور سلوک ومعاملات کو دیکھ کر اسلام قبول کرلیا کرتے تھے، اور آج ہماری بدمعاملگی کی وجہ سے لوگ ہم سے متنفر ہیں، اور بدسلوکی میں ہم ضرب المثل بنتے جارہے ہیں، اے کاش کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کو اپنا اسوہ بناتے، اور معاملات کی صفائی کے ذریعہ اپنی دنیا بھی سنوارتے اور آخرت بھی۔

طابع وناشر وایڈیٹر (مولانا) محمد سلمان (صاحب) ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور نے
سہارنپور الیکٹرک پریس سہارنپور سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ مظاہر علوم سہارنپور سے شائع کیا

سالانہ جلسہ تحفظ ختم نبوت مظاہر علوم

مرتب: محمد راشد گورکھپوری استاذ شعبۂ تحفظ ختم نبوت مظاہر علوم سہارنپور

مورخہ ۱۷ رجب المرجب ۱۴۳۹ھ مطابق ۵/اپریل ۲۰۱۸ء بروز جمعرات حضرت مولانا سید محمد شاہد صاحب دامت برکاتہم امین عام جامعہ مظاہر علوم کی صدارت میں شعبہ تحفظ ختم نبوت کا سالانہ جلسہ منعقد ہوا جس میں شرکت کے لئے بطور خاص ڈھائی سو ائمہ مساجد و متولیان کو دعوت دی گئی. الحمدللہ تین سو کے قریب ائمہ مساجد، متولیان کرام اور مہمان عظام نے شرکت کی۔

بعد نماز مغرب تلاوت قرآن اور نعت رسول مقبول صل اللہ علیہ وسلم سے باقاعدہ جلسہ کا آغاز ہوا، اس کے بعد شعبہ سے فارغ ہونے والے طلبہ نے اپنے پروگرام پیش کئے — مولوی محمد احتشام سہارنپوری نے آنے والے مہمانوں کی خدمت میں خطبہ استقبالیہ پیش کیا اور مولوی عبداللطیف پنجابی نے" رفع ونزول عیسی کے عنوان پر تقریر کی جبکہ مولوی بدرالدین گورکھپوری نے ختم نبوت کے موضوع پر تقریر پیش کی اور مولوی محمد عمران اناوی، مولوی محمد انعام کیرانوی، مولوی ابوطلحہ نوادہ، مولوی محمد ریاض ہریدواری، مولوی محمد سلمان نانوتوی، مولوی محمد جاوید ایم پی نے" شکیلیت، قادیانیت اور دجال" کے عنوان پر ایک گراں قدر علمی محادثہ پیش کیا، اور نظامت کے فرائض مولوی محمد ناصر رامپوری نے انجام دیئے۔

پروگرام کی تکمیل پر ناظم جامعہ حضرت مولانا سید محمد سلمان صاحب دامت فیوضہم کی ہدایت کے مطابق جامعہ مظاہر علوم کی جانب سے انہیں کتابی شکل میں پندرہ ہزار روپے کا انعام دیا گیا تاکہ یہ طلبہ فتنوں کا تعاقب کرتے وقت علمی دلائل و براہین سے آراستہ رہیں۔

آخر میں حضرت صدر محترم مدظلہ العالی نے طلبہ عزیز اور شرکاء جلسہ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا :" انعقاد جلسہ کے دو بنیادی مقاصد ہیں نمبر (ا) موضوع اور عنوان سے متعلق شعبہ

کے طلبہ کے اندر شوق ورغبت پیدا ہواور وہ خوب مطالعہ کر کے تیاری کریں اور ان تمام فتنوں کا علی وجہ البصیرت تعاقب کریں۔

(۲) اور دوسرا بنیادی مقصد یہ ہے کہ جوحضرات ہم سے تعلق رکھتے ہیں ان میں خصوصاً اور عام مسلمانوں میں ایمانی بیداری پیدا ہواور فتنوں سے بچنے کے کچھ بنیادی اصول وضوابط سے وہ واقف ہوجائیں۔

حضرت صدر محترم زیدمجدہ نے جلسہ کی غرض وغایت بیان کرتے ہوئے ایک اہم اور بنیادی اصول پر روشنی ڈالی جو قادیانیت کی اصلیت کو بے نقاب کرنے اور ان کی تلبیسات کا پردہ چاک کرنے کے لئے ایٹم بم کی حیثیت رکھتا ہے۔ فرمایا:

"دنیا میں دو طرح کے سلسلے نظر آتے ہیں (۱) کار نبوت (۲) کار سیاست ۔ ان دونوں میں زمین وآسمان کا فرق ہے اور یہ بات میں نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمہ جیسی شخصیات نے فرمائی ہیں۔ کار نبوت میں ہر نبی اپنے سے پہلے نبی کی تصدیق کرتا ہے اپنے سے قبل نبی کے کام کی تعریف وتوصیف کرتا ہے، اپنے سے پہلے نبی کے خلاف ادنیٰ کلمہ سننا بھی برداشت نہیں کرسکتا۔

چنانچہ بخاری ومسلم شریف کی متفق علیہ روایت ہے: ''**عن ابی ھریرہ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صل اللہ علیہ و سلم ماینبغی لعبدان یقول انی خیر من یونس بن متی**" حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی بندہ کے لئے مناسب نہیں کہ وہ یہ کہے کہ میں یونس بن متی سے بہتر ہوں۔

غور کریں کہ حضرت خاتم الانبیاء خیر البشر اور افضل الانبیاء ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کو کلی فضیلت عطا فرمائی ہے مگر اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم امت کو تعلیم فرمارہے ہیں کہ مجھے حضرت یونس علیہ السلام پر فوقیت دینے کی کوشش نہ کی جائے۔

اس ارشاد مبارک کا راز یہ تھا کہ کہیں میری امت مجھے فضیلت دیتے وقت ان کی اور بقیہ

دیگر انبیاء کی تنقیص کی مرتکب نہ ہو جائے ، آپ کو معلوم ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام اپنی بشریت کی بناء پر اللہ کے حکم کا انتظار کئے بغیر گاؤں چھوڑ کر اپنی قوم سے ناراض ہو کر نکل پڑے تھے جس کی وجہ سے عتاب الٰہی کا معاملہ پیش آیا اور وہ مچھلی کے پیٹ میں چلے گئے، اللہ تعالیٰ نے اس کا ذکر کرتے ہوئے حضور صل اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا: **واصبر کما صبر اولو العزم من الرسل ولا تکن کصاحب الحوت** کہ اولوالعزم رسول جس طرح ہمیشہ صبر کرتے رہے ہیں آپ بھی اسی طرح صبر سے کام لیں اور صاحب حوت یعنی یونس علیہ السلام کی طرح نہ ہوں، اس طرزِ خطاب سے عام آدمی کو ایک نبی کے حق میں کسی کوتاہی کا وہم ہوسکتا تھا اسلئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً اس کا ازالہ کرتے ہوئے فرمایا : مجھکو یونس نبی پر فضیلت مت دو : یہاں تمام انبیاء میں صرف حضرت یونس علیہ السلام کا نام لینے کی حکمت بھی سمجھ میں آ گئی کہ قرآن میں چونکہ خاص طور پر ان ہی کا نام لے کر آپ صل اللہ علیہ وسلم سے کہا گیا ھے کہ تم ان کی طرح بے صبری کا کوئی قدم نہ اٹھانا اس لئے امام الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان ہی کا نام لیکر فرمایا: مجھکو یونس نبی پر فضیلت مت دو، گویا اس طرح آپ نے امت کو یہ ادب سکھایا کہ اس خدائی طرزِ خطاب سے امت کا کوئی فرد بھی ان کے حق میں ادنٰی سا کسر شان کا کوئی کلمہ منھ سے نہ نکالے، کیونکہ یہ خالق کا اپنے رسول سے خطاب ھے جس میں کسی امتی کو دخل دینا نامناسب ہی نہیں بلکہ خطرناک بھی ہے۔

انبیاء علیہم السلام کی صداقت کی یہ عظیم الشان دلیل ہوتی ہے کہ ان میں کا افضل سے افضل اپنے کسی فرد کے متعلق کوئی ادنٰی سا کلمہ بھی برداشت نہیں کرسکتا، کسی بھی نبی کے بارے میں نہیں کہا جاسکتا کہ وہ دوسرے کسی نبی کی توہین کرتا ہو، یہ تو کار نبوت کی بات ہے لیکن کار سیاست میں تعریف نہیں بلکہ تنقیص وتوہین ہوتی ہے چنانچہ ہر بعد میں آنے والا لیڈر اپنے سے پہلے لیڈروں کے کام کی نفی کرتا ھے اس کے کاموں میں ہزاروں کیڑے نکالتا ھے، اپنے بیانات وتحریرات سے ان کے کاموں کی بھرپور تردید کرتا ہے۔

چنانچہ حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں : " ہر نبی جس طرح دوسرے نبی کی نبوت کا

مُصَدِّ ق ہوتا ہے اسی طرح وہ اس کے معجزات کا بھی مُصَدِّ ق ہوتا ہے اور ان کا بھی پورا پورا احترام کرتا ہے" یہ کبھی ثابت نہیں ہوا کہ کسی نبی نے دوسرے نبی کے مقابلہ پر کوئی معجزہ دکھلایا ہو اس کے برخلاف کاہنوں اور جادوگروں کی جماعت وہ تھے جو ایک دوسرے کی کاٹ کرتی دکھائی دیتی تھے، ہر جادوگر اس فکر میں لگا رہتا تھے کہ وہ دوسرے کا عمل باطل کردے، اس پہلو سے اگر مرزا کی زندگی کا جائزہ لیا جائے تو اس کا کردار، اس کے دعاوی ودلائل سب کارسیاست کے سوا اور کچھ نظر نہیں آتے اور واقعہ بھی یہی ہے کہ مرزا قادیانی تو گورنمنٹ برطانیہ کے دور میں سیالکوٹ کی کچہری میں منشی گیری کرتا تھا ۱۸۶۴ سے لیکر ۱۸۶۸ء تک ملازمت کرتا رہا اس دوران یورپین مشنریوں اور بعض انگریز افسروں سے مرزا کی ملاقات ہوتی رہی اور مذہبی بحث کی آڑ میں عیسائی پادریوں سے بھی طویل وخفیہ ملاقاتیں رہیں ان سب نے اپنی حمایت وتعاون کا پورا یقین دلایا۔

انڈرگراؤنڈ حکومتی اہلکاروں کے ذریعے انگریز نے نبوت کے لئے اس کو تیار کیا اور اپنی حکومت کو برقرار رکھنے کے لئے اس سے حرمت جہاد کا اعلان کرایا، چنانچہ سیرت مسیح موعود میں اس کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا گیا ہے کہ برطانوی انٹیلی جنس سیالکوٹ مشن کے انچارج مسٹر یورنڈ بٹلر کی مرزا سے ملاقات ہوئی اس کے چند دن بعد ہی مرزا نے سیالکوٹ کچہری کی ملازمت ترک کرکے قادیان میں مستقل سکونت اختیار کرلی، بات دور نکل گئی ورنہ میں یہ عرض کررہا تھا کہ مرزا قادیانی کارنبوت سے ہٹ کر کارسیاست کی لائن کا آدمی تھا اسی لئے اس میں اوصاف نبوت نہیں بلکہ اوصاف سیاست کارفرما تھے چنانچہ اس نے اپنے پیشرو تمام انبیاء کی شان میں ہرزہ سرائیاں کی ہیں خصوصاً حضرت عیسی علیہ السلام کی شان میں ایسے ایسے مغلظات بکے ہیں اور ایسی ناقابل بیان گستاخیاں کی ہیں کہ اس کا کفر ننگا ہوکر ناچنے لگتا تھے اور انسانیت سر پیٹ کررہ جاتی تھے — اس کے غلیظ خیال اور شاطرانہ سیاسی چال کا اندازہ کرنے کے لئے بطور نمونہ چند گالیاں ناگواری کے ساتھ سنئے! اس نے اپنی کتابوں میں لکھا

ہے، جب چھ سات مہینے کا حمل (مریم کا) نمایاں ہو گیا تب حمل کی حالت میں ہی قوم کے بزرگوں نے مریم کا یوسف نام کے ایک نجار سے نکاح کر دیا اور اس کے گھر جاتے ہی ایک دو ماہ کے بعد مریم کو بیٹا پیدا ہوا وہی عیسی یا یسوع کے نام سے موسوم ہوا" (چشمہ مسیحی خ355/20و356)

(2) "عیسٰی علیہ السلام شراب پیا کرتے تھے شاید کسی بیماری کی وجہ سے یا پرانی عادت کی وجہ سے" (کشتی نوح 71/ 19) (3) آپ کا خاندان بھی نہایت پاک ومطہر ہے تین دادیاں اور نانیاں آپ کی زنا کار اور کسبی عورتیں تھیں جن کے خون سے آپ کا وجود ظہور پذیر ہوا" (ضمیمہ انجام آتھم درحاشیہ 291/11]

میرے دینی بھائیوں! خلاصہ یہ نکلا کہ قادیانیت کو سمجھنے کا سیدھا راستہ یہ ہے کہ مرزا قادیانی کی حقیقت اور اس کے اخلاق و کردار کو دیکھا جائے لیکن اس کے ماننے والے دوسروں کو وہاں تک پہونچنے نہیں دیتے بلکہ وہ مرزا کو ستر ہزار پردوں میں چھپا کر رکھتے ہیں تا کہ اس کے عیوب اور گھناؤنے کردار چھپے رہیں، اس مقصد کو حاصل کرنے کے واسطے اور عام آدمی کو الجھن میں ڈالنے کے لئے وہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کی حیات وممات اور ان کے رفع ونزول کا مسئلہ چھیڑ دیتے ہیں کہ قرآن میں عیسی کے رفع ونزول کا تذکرہ کہاں ھے؟ حدیث میں آسمان پر اٹھائے جانے کا تذکرہ کہاں ھے دکھاؤ! اس موقع پر ہر ایک کو ہوشیار رہنا چاہئیے اور صاف صاف مطالبہ کرنا چاہیے کہ ہمیں مرزا غلام کے کیریکٹر اور اس کی انسانیت کے بارے میں بتاؤ! رہا حضرت عیسٰی علیہ السلام کے رفع ونزول کا مسئلہ تو اسے علماء کے پاس جا کر حل کریں گے — یہ مطالبہ کرتے ہی مرزائیوں کا خون خشک ہو جائے گا.

حضرت صدر محترم زید مجدہ کے پر مغز خطاب کے بعد ان ہی کی دعا پر پروگرام بحسن وخوبی اختتام پذیر ہوا. فالحمدللہ علی ذالک

آپ بیتی سے اقتباس جواہر

مشعل راہ

انتخاب و ترتیب : عبداللہ خالد قاسمی خیرآبادی

۱۳۰۴ھ سے ۱۳۱۸ھ کے درمیان مظاہر علوم سہارنپور میں کچھ خلفشار اور انتشار ہوا، اساتذہ و ذمہ داران کافی تشویش میں تھے، اس وقت فقیہ النفس حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ جو مظاہر علوم سہارنپور کے ساتھ ساتھ اس وقت کے تمام علماء و صلحاء کے سرپرست تھے، انھوں نے مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوریؒ کے نام ایک خط لکھا، اپنی نافعیت اور مضامین کے اعتبار سے وہ خط آج بھی ارباب مدارس اور اساتذہ مدارس کے لئے مشعل راہ ہے، استفادہ کی غرض سے شامل اشاعت ہے۔

از بندہ رشید عفی عنہ۔ برادران مکرمانِ بندہ مولوی محمود حسن و مولوی خلیل احمد صاحب مد فیوضہما۔

بعد سلام مسنون۔ مطالعہ فرمایند آپ دونوں کے چند خطوط پہنچے جس سے وہاں کا حال معلوم ہوتا رہا، آج مولوی خلیل احمد صاحب کا خط آیا جس سے پریشانی مدرسین کی دریافت ہوئی، لہٰذا یہ تحریر ضروری ہوئی۔

میرے پیارے دوستو! تم کو کیوں اضطراب و پریشانی ہے تم تو وَمَنْ یَّتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ فَھُوَ حَسْبُہٗ پر قانع رہو اور مدرسہ سے آپ کو فقط اتنا تعلق ہے کہ درس دیے جاؤ، اگر مدرسہ بند حق تعالیٰ کرادے گا تم اپنے گھر بیٹھ رہنا، اگر مفتوح رہا درس میں مشغول رہنا، ....

تم کسی امر میں لب کشا مت ہو کوئی پوچھے تو جواب دو کہ درس کے باب میں ہم سے پوچھو جو ہمارا کام ہے انتظام وغیرہ کا نہ ہم جانیں نہ ہم دخل دیویں اور اندیشۂ بدمعاشاں بھی کچھ مت کرو۔ شعر حضرت شیخ المشائخ قدس سرہٗ کو مد نظر رکھو

قصد ظلم بسوئے کشتن ما		دل مظلوم ما بسوئے خدا
او دریں فکر تا بما چہ کند		ما دریں فکر تا خدا چہ کند

عزیزان! بروز ازل مقدر ہو چکا ہے ذرہ ذرہ جو واقع ہوگا مدرسہ کے امور میں بھی پس وہی واقع ہوگا اور ہو کر رہے گا خواہ کوئی دفع کرے یا واقع کرے پھر تم کیوں سرگشتہ ہوتے ہو، ہر چہ از

محبوب رسد شیریں بود، ہم کون ہیں؟ بے اختیار محض ہیں، اگرچہ بظاہر مختار ہیں، ہم پر جو گزرے گا وہ عین لطف ہوگا اور جو عالم میں صادر ہوگا وہ عین مصلحت ہوگا، خواہ خرابی مدرسہ ہو یا بقا، خواہ عزت ونصب ہمارا تمہارا ہو خواہ ذلت وعزل، تم یہ سب وقائع بازیگر کے سانگ سمجھ کر اپنے درس کے شغل میں بسر کرو، ایں وآں کو زید وعمرو پر چھوڑو، ہر کس بخیال خویش خبطے دارد، نہ کوئی مفسد کچھ کر سکے نہ کوئی مصلح کرسکتا ہے، سب فاعل مختار کرتا ہے۔ وماتَشَاءُوْنَ اِلَّا اَنْ یَّشَاءَ اللّٰہُ ؎

من از بیگانگاں ہرگز نہ نالم　　　　که بامن آنچہ کرد آں آشنا کرد

بس تمام ہوا قصہ وہاں کی خبر کا مشتاق ہوں، بشر ہوں، اپنے دوستوں کا دعاء گو، خیر طلب ہوں تم کو کوئی گزند نہیں مطمئن رہو، نہ مدرسہ کہیں جاوے، ہر شخص کو اپنے اپنے خیال پر نازاں جان کر کالائے بد بریش خاوند کرو اور دم بخود ہو کر می نوش و من نیوش و چیزے مخروش۔ فقط

سب عزیزوں کو یہ ہی مضمون جاں بخش بعد سلام مسنون فرمادیویں، جو دوستان اہل تدبیر ہیں ان کا شکریہ ادا کرتا ہوں، مضمون شکر ورضا ان سے کہہ دیویں اور جس کو چاہو سلام کہہ دینا، یہ وقت اور یہ خروش اہل فساد عین مصلحت ہے اس کا جس قدر غلغلہ ہوگا اسی قدر مفید ہوگا۔ انجام خیر ہی خیر واصب ودائم رہے گا۔　　از بندہ رشید عفی عنہ

سود اور رشوت کی نحوست

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جس قوم میں سود عام ہوجائے وہ قحط سالی میں مبتلا کردی جاتی ہے اور جس قوم میں رشوت کا لین دین کثرت سے ہونے لگے وہ دشمن کے رعب میں مبتلا کردی جاتی ہے۔ (رواہ احمد مرفوعاً ۴/ ۲۰۵)

چند جدید مسائل قربانی

انتخاب وترتیب : عبداللہ خالد قاسمی خیرآبادی

س…اُدھار جانور لے کر قربانی کرنا کیسا ہے؟

ج…جائز ہے۔

س…قسطوں پر قربانی کا جانور لے کر قربانی کرنا جائز ہے یا ناجائز ہے؟

ج…جس جانور کے آپ مالک ہیں اس کی قربانی جائز ہے، خواہ آپ نے نقد قیمت پر خریدا ہو، خواہ اُدھار پر، خواہ قسطوں پر۔

س…گائے اور بکرے کا خون ناپاک ہوتا ہے یا پاک؟

ج…گوشت میں جو خون لگا رہ جاتا ہے وہ پاک ہے، اس سے کپڑے ناپاک نہیں ہوتے، البتہ بوقتِ ذبح جو خون جانور کی رگوں سے نکلتا ہے وہ ناپاک ہے۔

س…قربانی کے جانور کا خون اگر کپڑے پر لگ جائے تو نماز ہوسکتی ہے یا نہیں؟

ج…قربانی کے جانور کا بہتا ہوا خون بھی اسی طرح ناپاک ہے جس طرح کسی اور جانور کا، البتہ جو خون ذبح کے بعد گوشت پر لگا ہوا ہوتا ہے وہ ناپاک نہیں۔

مسئلہ : قربانی کی کھال فی نفسہ واجب التصدق نہیں اسی لیے خود مالک اس سے ڈول، جانماز وغیرہ بنالے تو اس کا استعمال جائز ہے البتہ اگر روپیہ پیسے کے بدلے اس کو فروخت کردیا تو قیمت کا صدقہ کرنا واجب ہے۔

مسئلہ : کسی مسجد کے لیے کھال اس مقصد سے دینا کہ فروخت کرکے پیسہ مسجد میں صرف ہو، جائز نہیں ہے اس لیے کہ مسجد صدقۂ واجبہ کا مصرف نہیں ہے اسی طرح یہ پیسہ امام کی تنخواہ میں دینا بھی جائز نہیں، رفاہی ادارہ کو رفاہی کاموں میں خرچ کرنے کے لیے یہ رقم دینا درست نہیں اس رقم کے مصارف ومستحق وہی لوگ ہیں جو زکوٰۃ کے مستحق ہیں۔